اسلام آباد سے یثرب تک

سعودی عرب ۔ پاکستان ۔ ایران

کویت ۔ سفرنامہ مشرقِ اوسط ۔ عراق

افغانستان ۔ شام ۔ اردن

جلد اوّل

اسلام آباد سے طہران تک

جس میں اسلام آباد، کراچی، کوئٹہ، زاہدان، مشہد مقدس طوس، نیشاپور، بسطام، تہران، اصفہان اور شیراز وغیرہ شہروں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایران کی معاشی معاشرتی جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا مفصل تذکرہ انوکھے انداز میں کیا گیا ہے

مصنفہ

الحاج حکیم فضل الرحمٰن چشتی قادری

آفس سیکرٹری اسلام آباد مسلم لیگ

ناشر سیف الملوکؒ اکیڈمی راولپنڈی، مغربی پاکستان

علاوہ ازیں یک صد اہم و دیدہ زیب [illegible] تصاویر

اسلام آباد سے یثرب تک

سعودی عرب — پاکستان — ایران

کویت — **سفر نامہ مشرقِ اوسط** — عراق

افغانستان — شام — اردن

جلد اوّل

اسلام آباد سے طہران تک

جس میں اسلام آباد، کراچی، کوئٹہ، زاھدان، مشہد مقدس
طوس، نیشاپور، بسطام، تہران، اصفہان اور شیراز وغیرہ
شہروں کا ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی ایران کی معاشی معاشرتی
جغرافیائی اور تاریخی حیثیت کا مفصل تذکرہ انوکھے انداز میں
کیا گیا ہے

مصنفہ

الحاج حکیم فضل الرحمن چشتی قادری

آفس سیکرٹری اسلام آباد مسلم لیگ

ناشر سیف الملوک اکیڈمی راولپنڈی مغربی پاکستان



مقدمه

دربابِ روابطِ ایران و پاکستان و نزدیکی بینِ دو کشور که از جهاتِ مختلف وجود دارد تاکنون کتابها و نشریاتِ متعددی منتشر گردیده است ولی این کتاب که بقلمِ آقای فضل الرحمان چشتی نوشته شده و از احساساتِ گرم برادرانِ پاکستانی نسبت به ایران حکایت می کند و با نظرِ واقع بینی دربارهٔ سفرِ خود با ایران نوشته است قابلِ توجه و تحسین می باشد.

اُمید دارم مردمِ این دو کشورِ برادر تحتِ توجهاتِ رهبرانِ عالی قدرِ خود اعلیٰ حضرت همایون شاهنشاه آریامهر و حضرت فیلد مارشال محمد ایوب خان پیشرفتهای درخشانی نائل آمده و همگام با کشورهای مترقی جهان زندگی سعادتمندی بسر کنند.

راولپنڈی ✧

۱۸- جون ۱۹۶۸ ش

سرلشکر حسن پاکروان

سفیرِ شاهنشاه آریامهر در پاکستان

ہیں۔

امتیاز علی صاحب "شیریں قلم" اسلام آباد کے ممتاز خوش نگار، خطاط اور صحیفہ نگار ہیں

اس حصۂ کتاب میں فن شناسوں کو جو ادب و آرٹ کی بلندیاں نظر آئیں گی وہ محترم شیریں قلم کے کِلک گوہر بار کا اعجاز ہیں۔



امتیاز علی شیریں قلم

کتاب کی طباعت پر خصوصی توجہ دینے اور کامل معاونت کرنے کے سلسلہ میں جناب ایم منیر قاضی صاحب جنرل مینجر اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور کا بھی بصد خلوص و محبت شکر گزار ہوں

جناب بشیر احمد صاحب سوہاوی سب ایڈیٹر روزنامہ "کوہستان" راولپنڈی کے پرانے صحافی اور اہل قلم میں سے ہیں "اسلام آباد سے یثرب تک" کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں آپ کی انتھک کوششیں اور معاونت ناقابل فراموش ہیں حقیقتاً یہ کتاب انہی کی فرمائش سے لکھی گئی ہے اور اگر عوام نے اسے پسند کیا تو اس کی تعریف کے مستحق نصف سے بھی زیادہ سوہاوی صاحب ہوں گے۔

سرِ ورق کے لئے ایم۔ ایم شریف آرٹسٹ کا ممنون ہوں۔ سرِ ورق کی عمدگی نے کتاب کو صوری لحاظ سے بہتر بنا دیا ہے۔

FRehman 7.6.1968

فضل الرحمن چشتی

رحمان منزل، راولپنڈی

۷؍ جون ۱۹۶۸ شمسی



مقدمه

در بابِ روابطِ ایران و پاکستان و نزدیکی بینِ دو کشور که از جهاتِ مختلف وجود دارد تاکنون کتابها و نشریاتِ متعددی منتشر گردیده است ولی این کتاب که بقلمِ آقای فضل الرحمان چشتی نوشته شده و از احساساتِ گرمِ برادرانِ پاکستانی نسبت به ایران حکایت می کند و با نظرِ واقع بینی دربارهٔ سفرِ خود با ایران نوشته است قابلِ توجه و تحسین می باشد.

اُمید دارم مردمِ این دو کشورِ برادر تحتِ توجهاتِ رهبرانِ عالی قدرِ خود اعلیٰحضرت همایون شاهنشاه آریامهر و حضرتِ فیلد مارشال محمد ایوب خان بپیشرفتهای درخشانی نائل آمده و هم گام با کشورهای مترقی جهان زندگی سعادتمندی بسر کنند.

سپهبد لشکر حسن پاکروان
سفیر شاهنشاه آریامهر در پاکستان

راولپنڈی
۱۸ جون ۱۹۶۸ ش

رکیں۔

امتیاز علی صاحب "شیریں قلم" اسلام آباد کے ممتاز خوش نگار، خطاط اور صحیفہ نگار ہیں

اس حصہ کتاب میں فن شناسوں کو جو ادب و آرٹ کی بلندیاں نظر آئیں گی وہ محترم شیریں قلم کے کلک گوہر بار کا اعجاز ہیں۔



امتیاز علی شیریں قلم

کتاب کی طباعت پر خصوصی توجہ دینے اور کامل معاونت کرنے کے سلسلہ میں جناب ایم منیر قاضی صاحب جنرل مینجر اردو ڈائجسٹ پرنٹرز لاہور کا بھی بصد خلوص و محبت شکر گزار ہوں

جناب بشیر احمد صاحب سوہاوی سب ایڈیٹر روزنامہ "کوہستان" راولپنڈی کے پرانے صحافی اور اہل قلم میں سے ہیں "اسلام آباد سے یثرب تک" کی ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں آپ کی انتھک کوششیں اور معاونت ناقابل فراموش ہیں حقیقتاً یہ کتاب انہی کی فرمائش سے لکھی گئی ہے اور اگر عوام نے اسے پسند کیا تو اس کی تعریف کے مستحق نصف سے بھی زیادہ سوہاوی صاحب ہوں گے۔

سرورق کے لئے ایم۔ ایم شریف آرٹسٹ کا ممنون ہوں۔ سرورق کی عمدگی نے کتاب کو صوری لحاظ سے بہتر بنا دیا ہے۔

Rehman 7.6.1962

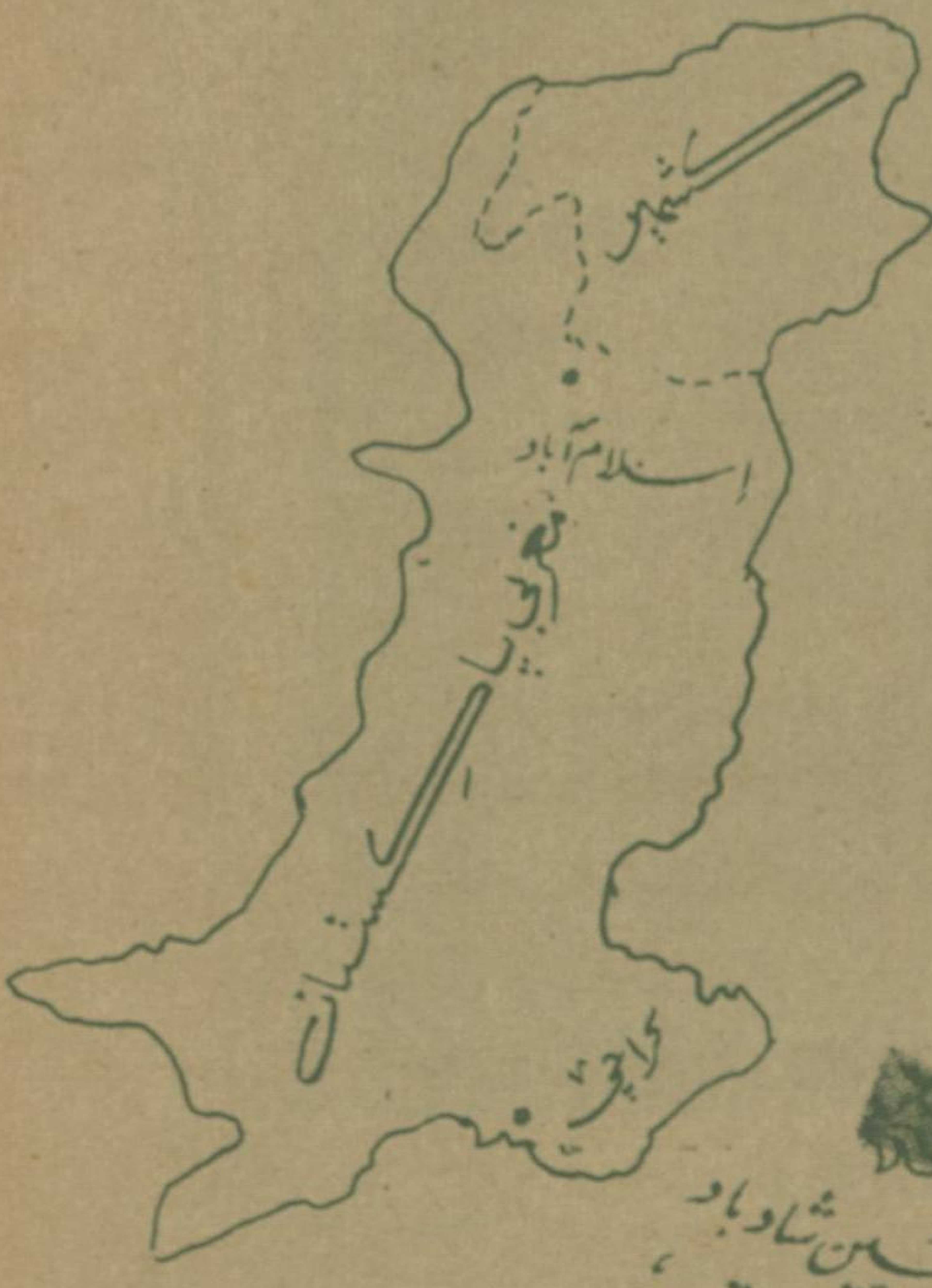
فضل الرحمٰن چشتی

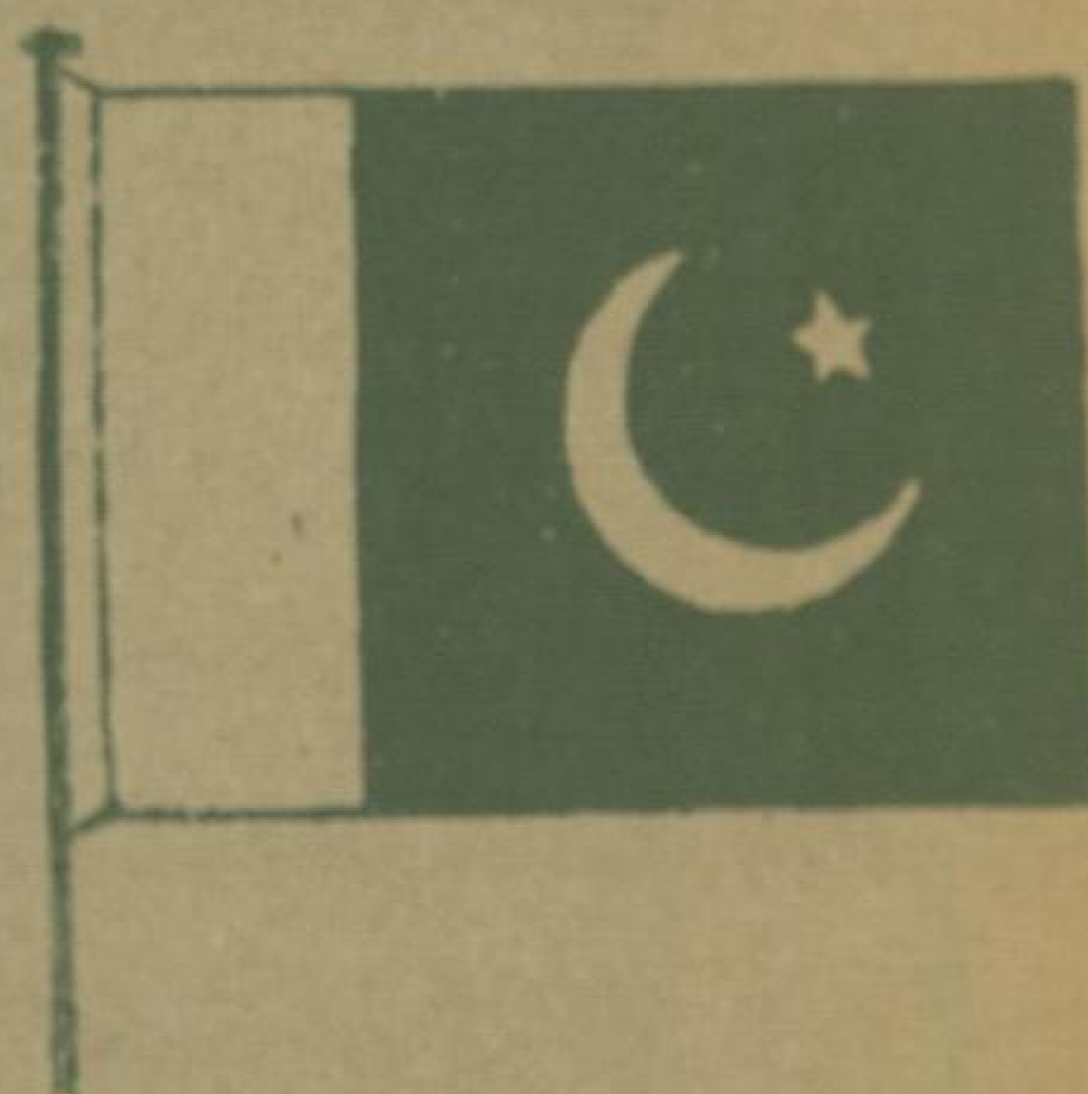
رحمان منزل، راولپنڈی

۷ رجون ۱۹۶۸ شمسی

پاکستان

غازیوں اور سرفروشوں کا وطن







قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد
کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالیشان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد
پاک سرزمین کا نشان — قوتِ اخوتِ عوام
شاد باد منزلِ مراد
رہبرِ ترقی و کمال
پرچمِ ستارہ و ہلال — جانِ استقلال
ترجمانِ ماضی شانِ حال
سایۂ خدائے ذوالجلال



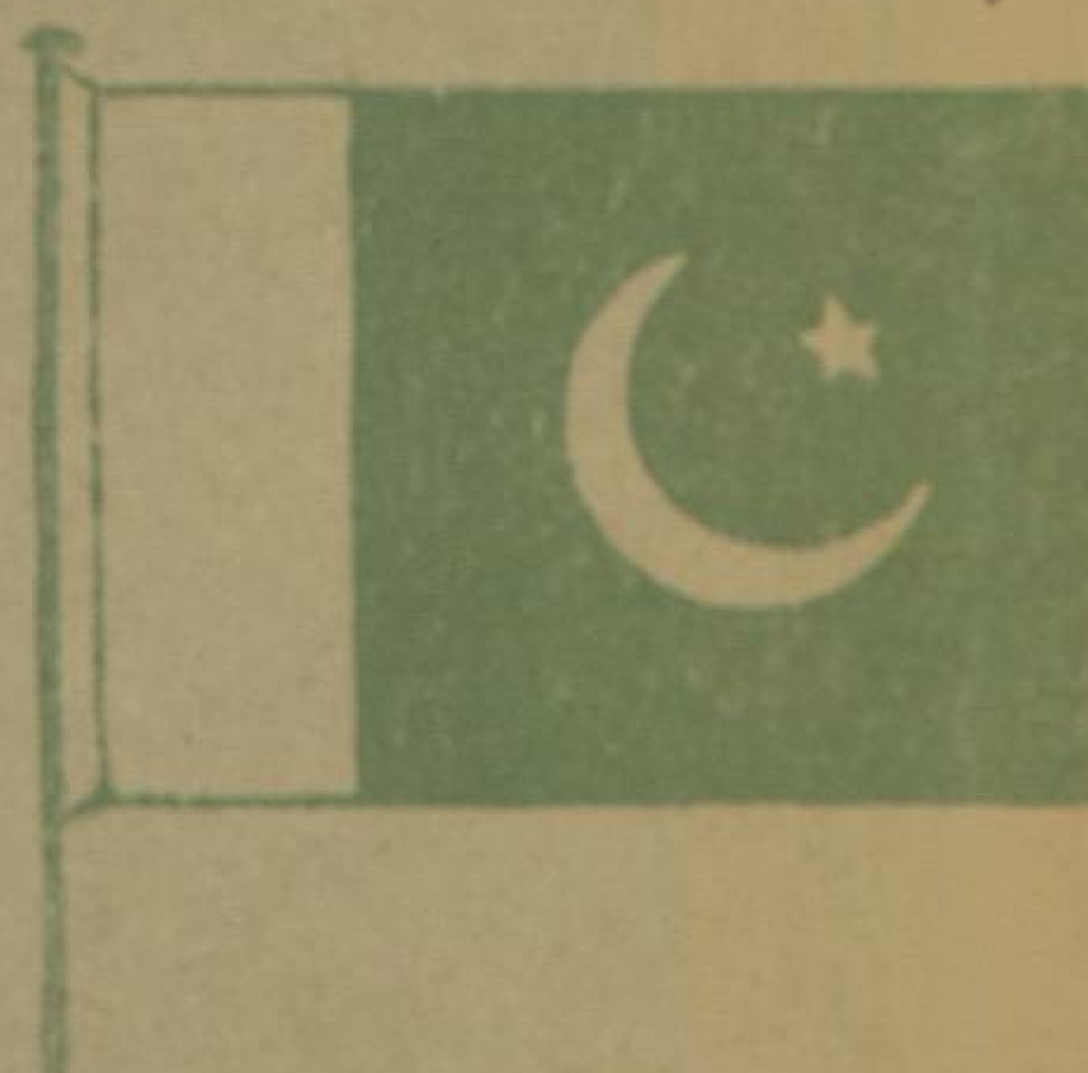
بانیِ پاکستان

قائدِ اعظم   **محمد علی جناح** رح   زعیمِ ملت

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

پاکستان

غازیوں اور سرفروشوں کا وطن







قومی ترانہ

پاک سرزمین شاد باد — کشورِ حسین شاد باد
تو نشانِ عزمِ عالیشان — ارضِ پاکستان
مرکزِ یقین شاد باد

پاک سرزمین کا نشان — قوتِ اخوتِ عوام
قوم، ملک، سلطنت

پاک سرزمین منزلِ مراد
شاد باد منزلِ مراد

پرچمِ ستارہ و ہلال — رہبرِ ترقی و کمال
ترجمانِ ماضی شانِ حال — جانِ استقلال
سایۂ خدائے ذوالجلال



بانیٔ پاکستان

قائدِ اعظم　　محمد علی جناحؒ　　زعیمِ ملت

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں



معمارِ پاکستان

فیلڈ مارشل **محمد ایوب خان** محبوبِ ملّت

داعئ اتحادِ عالمِ اسلام

صدرِ پاکستان مسلم لیگ

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز

یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

تعاونوا على البر والتقوىٰ (القرآن)

پاکستان و آزاد کشمیر کے

عظیم صوفی شاعر میاں محمد بخشؒ کے کلام و پیغام کی تبلیغ و تشہیر کا واحد ادارہ

سیف الملوک اکادمی (پاکستان) راولپنڈی

جو ـــ اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے

تصوف کی کتب کی اشاعت میں مصروف ہے ۔

فارم رکنیت اور دوسری معلومات کے لئے حسب ذیل پتہ پر خط و کتابت کیجئے

دفتر سیف الملوک اکادمی

٨٨٠/٥ فیروزپورہ ـــ راولپنڈی



معمارِ پاکستان

فیلڈ مارشل محمد ایوب خان محبوبِ ملت

داعیٔ اتحادِ عالمِ اسلام

صدر پاکستان مسلم لیگ

نگہ بلند سخن دلنواز جاں پرسوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

تعاونوا علی البر والتقویٰ
— القرآن

پاکستان و آزاد کشمیر کے
عظیم صوفی شاعر میاں محمد بخشؒ کے کلام اور پیغام کی تبلیغ و تشہیر کا واحد ادارہ

سیف الملوک اکادمی (پاکستان) راولپنڈی

جو — اصلاحِ معاشرہ اور اسلامی، اخلاقی اقدار کے فروغ کے لئے

تصوّف کی کتب کی اشاعت میں مصروف ہے

فارم رکنیت اور دوسری معلومات کے لئے حسبِ ذیل پتہ پر خط و کتابت کیجئے

دفتر سیف الملوک اکادمی

۰/۸۸۰ فیروز پورہ — راولپنڈی



مرشدِ پاکستان،

عارفِ ربانی **پیر محمد عبد المجید احمد** خضری، قادری

پیر آف دیول شریف

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ اِنکو
یدِ بیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں،

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی،
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

دنیا بھر کے اسلامی ممالک میں اپنی نوعیت کی بہترین

اسلامی یونیورسٹی

جس کا سنگِ بنیاد صدر پاکستان محمد ایوب خان نے رکھا۔

جس کے بانی پیر صاحب دیول شریف ہیں۔

جس کا ہر طالب علم فارغ التحصیل ہونے کے بعد دینی تعلیم کی نشر و اشاعت میں خوشگوار فرض ادا کریگا۔

جس میں اسلامی تعلیم کے دوش بدوش دورِ جدید کے جملہ علوم بھی پڑھائے جائیں گے۔

جس کے فارغ التحصیل طالب علم جملہ علوم کا جیتا جاگتا نمونہ ہوں گے۔

جس کی تعمیر پر اب تک کم و بیش لاکھوں روپیہ صرف کیا جا چکا ہے۔

جس میں دنیا بھر کے مسلمان طالب علم داخلہ لے سکیں گے۔

جس میں دینیات اور اسلامیات کی بنیادی قدروں کو اجاگر کیا جائیگا۔

جس میں دنیا بھر کے مسلمانوں کے لئے پر خلوص خدمات سرانجام دی جائیں گی۔

جس سے اخلاق و کردار کی بلندی اور مذہب سے والہانہ شیفتگی کے سوتے پھوٹیں گے۔

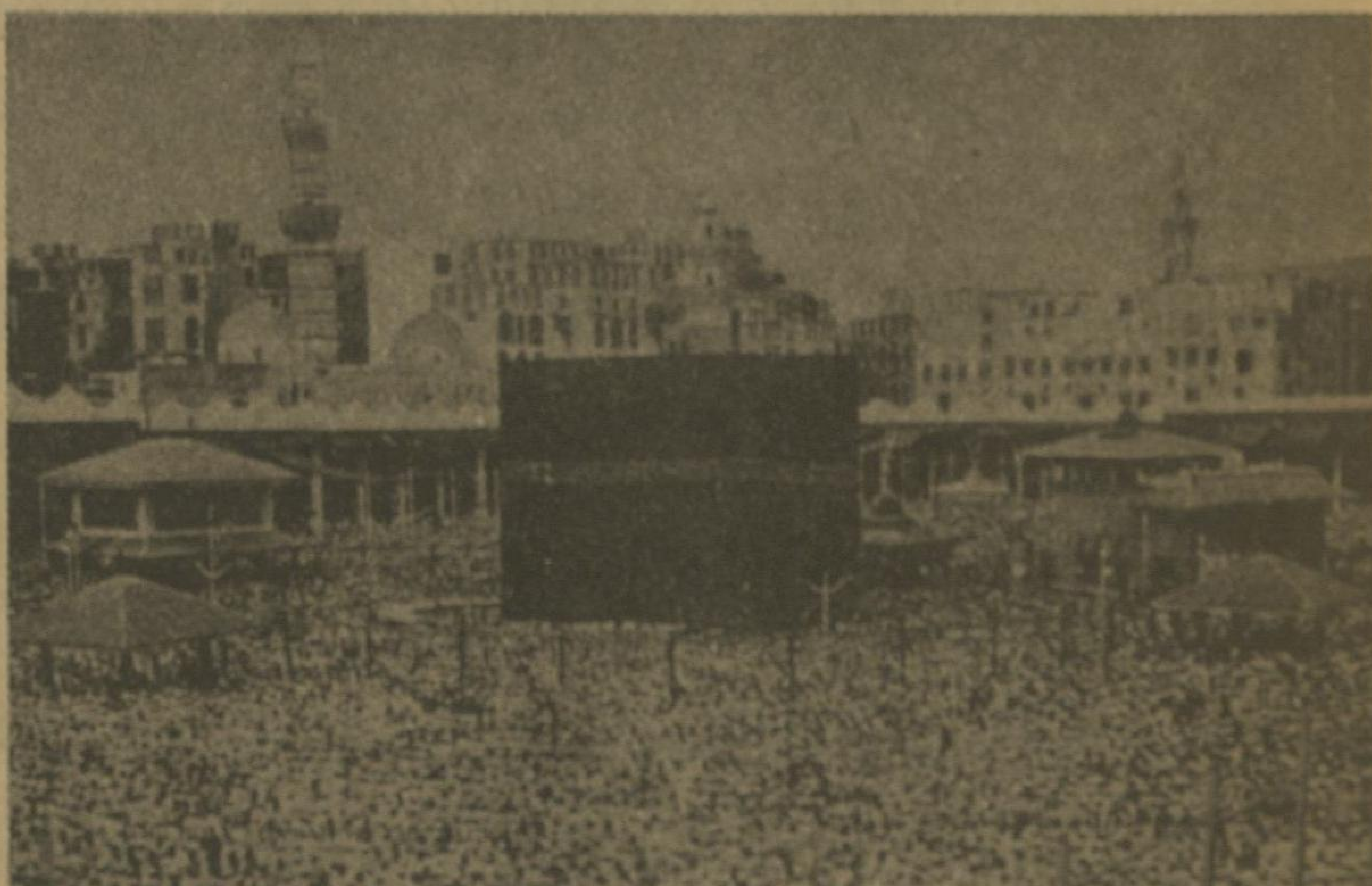
جس میں نئی پود کو دینی تعلیم سے مکمل طور پر آراستہ کیا جائے گا۔

جس کی رسم افتتاح عنقریب صدر مملکت ادا کریں گے۔

جس کی شہرت پاکستان اور بیرونِ پاکستان دور دور تک پھیل چکی ہے۔

جامعۃ الحضر یونیورسٹی اسلام آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



تعارف

از:- عمدۃُ العارفین، سراجُ السالکین، برہانُ المحققین، سلطانُ الاولیاء، اِمام الفقراء

حضرت پیر محمد عبدالمجید احمد قادری خضری

(المعروف بہ) ——— پیر صاحب دیول شریف

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

مدت ہوئی پہلے ایشیا کے عظیم رہنما اور اسلام کے نامور فرزند علامہ جمال الدین افغانی رحمۃ اللہ علیہ کے دلِ ناصبور میں نہ جانے کتنی سعید ساعت میں "اتحادِ عالمِ اسلامی" کی خواہش نے کروٹ لی، کہ وہ آج تک زندہ و سلامت ہے اور زمانے کے حوادث کے علاوہ اغیار کی خطرناک سازشوں کے باوجود یہ

ملک در ملک، اقلیم در اقلیم پھیلتی چلی جا رہی ہے۔ اور اب یقین آنے لگا ہے کہ شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ پاکستان کے حقیقت میں آجانے کے بعد دوسرے ایشائی مفکر علامہ افغانی مرحوم و مغفور کا تصورِ اتحادِ عالمِ اسلام بھی خلعتِ حقیقت پہن کر عالمِ وجود میں جلوہ گر ہونے ہی والا ہے۔"

حضرت علامہ افغانی رح کے دور میں ایسی مسلمان ریاستیں زیادہ تھیں جہاں نواب اور مطلق العنان بادشاہ ذی اقتدار تھے۔ ان میں جو زیادہ وسیع، خوشحال اور با اثر تھیں وہ اہل افرنگ کے برپا کئے ہوئے تعصبات اور خواہش اقتدار کے نت نئے فتنوں سے دوچار تھیں اور اغیار یہاں کے مسلمانوں کو گروہ در گروہ تقسیم کرنے کے پیشِ نظر نسلی امتیازات کو جواں تر کرنے میں بڑی تیزی سے مصروفِ عمل تھے۔ ان سارے سیاسی ہنگاموں کے برگ و بار علامہ افغانی رح کی نگاہِ دُور بین سے اوجھل نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑے غور و فکر کے بعد کمال دلیری کے ساتھ اتحادِ عالمِ اسلام کا لازوال تصوّر مسلمانوں کے سامنے رکھا۔

اس وقت کے بعض بادشاہوں اور ارباب مسند و اختیار نے علامہ مرحوم کے اس نسخۂ تریاق کو اپنی ذاتی مصلحتوں اور خواہشوں کے ہاتھوں مجبور ہو کر قبول نہ کیا اور جہاں پذیرائی کے لئے فضا ساز گار تھی وہاں انگریزوں یا انگریز کی "مقامی اولاد" نے دال نہ گلنے دی اور بالآخر علامہ رح یہ آفاقی تصوّر آنے والے مسلمانوں کے حوالے کر کے اس بزمِ جہاں سے رخصت ہو گئے۔

بعد میں اتحادِ عالمِ اسلام کے سنجیدہ اور ارفع ترین تصوّر کو ایک سیاسی نعرے کا درجہ دے دیا گیا۔ بعض مسلمان رہنماؤں نے اس سے اپنے اقتدار کا راستہ ہموار کیا، یا ڈوبتے ہوئے اقتدار کو سنبھالا دیا اور بعض اوقات خود اغیار نے اپنے مفادات کی خاطر "اتحادِ عالمِ اسلام" کے لئے کانفرنسیں منعقد کر کے، وسائل فراہم کر کے مسلمانوں کی توجہ کو اس طرف لگا کر اپنی کئی سازشوں کا حرفِ آخر تحریر کیا۔ اس طویل مدت میں اتحادِ عالمِ اسلام کا تصوّر اس یتیم بچّے کی طرح رہا جس سے کام لینے کے لئے ہر غرض مند اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرتا ہے۔ اور تکمیلِ غرض کے بعد اسے پھر ویرانوں کا راستہ دکھا دیتا ہے۔

علامہ افغانی رح نے جن حالات و مسائل کا حل اتحادِ عالمِ اسلام میں دیکھا تھا، وہ اب مصائب کا انتہائی تکلیف دہ رنگ اختیار کر چکے ہیں۔ اس وقت یہ مصائب اپنی کمال خطرناکیوں کے ساتھ آگے بڑھ کر قبرص میں بے گناہ ترکوں، فلسطین میں نہتّے عربوں اور کشمیر میں بے بس کشمیریوں کو لاکھوں کی تعداد میں موت کے گھاٹ اتار چکے ہیں۔ ان لاکھوں فرزندانِ اسلام کے قتلِ عام پر بات ختم نہیں ہوئی۔ بلکہ اس سے

عالمِ اسلام کی تین انتہائی با اثر اور خوش حال ریاستیں ترکیہ، عالم عرب اور پاکستان کے باشندے دل گرفتہ ہیں۔ اِن کی حکومتوں کی کارکردگی، مُلکی معیشت اور ترقی کی رفتار بھی بُری طرح متاثر ہے

■ — ترکیہ، قبرصی ترکوں کی حفاظت اور انہیں راشن و اسلحہ پہنچاتا ہے۔

■ — عربی ریاستیں بے خانماں فلسطینی مہاجرین کی رہائش، خوراک اور انکے وطن کی آزادی کے لئے مصروفِ پیکار ہونے کے علاوہ بارہا اغیار کی جارحیت کا شکار بن چکی ہیں۔

■ — پاکستان، مجروح، زخم خوردہ اور بے خانماں کشمیری بہنوں اور بھائیوں کی رہائش خوراک، علاج، آباد کاری اور حقِ خود ارادیت کے لئے ایثار کرنے میں مصروف ہے اور اُردن و مصر کی طرح ستمبر ۱۹۶۵ء میں بھارتی جارحیت کا شکار بھی ہو چکا ہے۔

اِن سارے مصائب نے عالمِ اِسلام کے دردمندوں کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ سفید فام اقوام نے جس سرد صلیبی جنگ کو شروع کر رکھا ہے اور وہ جس دو عملی حکمت سے مُسلمانوں کی فعّال قوتوں کو مفلوج کرنے میں مصروف ہیں اس کا علاج یہ ہے کہ تمام مُسلمان ریاستیں جو ایک جسدِ توانا کی طرح افریقہ ایشیا اور یورپ کے کناروں تک پھیلی ہیں، تمام اختلافات ختم کر کے ایک ہو جائیں

بدقسمتی سے اِتحاد عالمِ اِسلام کا نعرہ کمیونزم اور مغرب کے جمہوری نِظام دونوں کے لئے خطرناک ہے چنانچہ دونوں کی طرف سے کسی نہ کسی شکل میں شدید اور انتہائی مؤثر مخالفت جاری ہے اور مسلمان مفکرین کا یہ سفینۂ فکر و عمل ان مشرقی و مغربی امواجِ مُخالف کے درمیان بڑی متانت اور یقین کے ساتھ سُوئے منزل بڑھ رہا ہے۔

مقامِ شکر و امتنان ہے کہ عالمِ اسلام کے ایک پہلو اِسلام آباد کی بلند و بالا اور باوقار چٹانوں سے اتحادِ عالمِ اسلام کا پہلا قافلہ اتر کر عرب کے ریگزاروں کی طرف بڑھنے لگا ہے کہ اہلِ ایمان کے ہر قافلے کی ساری تگ و دو اور متاثر جد و جہد کی آخری منزل کی یہی مبارک آبادیاں ہوتی ہیں۔ پاکستان، ایران اور ترکیہ کا اتحاد جو "میثاقِ استنبول" کے نام سے مشہور ہے، کئی منزلیں طے کر چکا ہے۔ اس قافلہ میں ریاض و حجاز بھی شریک ہو چکے ہیں۔ بلکہ اب عَلَمِ قیادت بھی انہی بابرکت شہروں نے تھام لیا ہے۔ قافلہ کے شرکاء کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ حُدی خوانوں کی لَے، بادِ صَرصَر کے بگولوں کے قلب کو چیر رہی ہے۔

قافلہ جتنا بڑا ہو فطرتاً اتنا ہی سست رو بھی ہوتا ہے۔ لیکن وہ منزل پر پہنچنے تک رہزنوں اور قزاقوں سے عموماً محفوظ و مامون رہتا ہے۔ اللہ کرے اسلام آباد، تہران، استنبول، انقرہ اور مدینہ و ریاض کے تعاون و اشتراک سے تشکیل پانے والا یہ مبارک ترین قافلہ ہر مشرقی و مغربی سیاسی قزاق و غدار کی دستبرد سے بچتا ہوا ساحل مراد تک جا پہنچے (آمین ثم آمین) کیونکہ اس قافلہ کی کامرانی اور کامیابی امتِ مسلمہ کی سیاسی، اقتصادی اور معاشی آزادی و خوشحالی کا دوسرا نام ہے۔ جب کسی بھولے ہوئے راہی کو جادۂ منزل و مقصود دکھایا جاتا ہے۔ تو وہ یقین سے جادہ پیما ہو جاتا ہے۔ افراد کی طرح اقوام کا بھی یہی حال ہے۔ قوموں کو جب اپنی عظمتِ رفتہ دلانے کے لئے کوئی پیغام دیا جاتا ہے تو ان کا ہر توانا عنصر سرگرم عمل ہو جاتا ہے۔ شاعر اپنے شعلۂ شعر سے جذبات کو بھڑکاتا ہے ادیب اپنے حسنِ افکار سے منزل کی راہوں کا تصور پیش کرتا ہے۔

میثاقِ استنبول کے بعد پاکستان کے ادیبوں، شاعروں اور اہل قلم و دانش کی بھاری تعداد نے اسی راہ کو اپنا لیا ہے۔ "اسلام آباد سے یثرب تک" کے سفر نامے کی تخلیق و ترتیب بھی اسی منزل کے ایک مسافر کی حسین پیش کش ہے۔ جس میں ماضیٔ اسلام کے کئی نقش اتنے دلآویز اسلوب میں ثبت کر دیئے گئے ہیں۔ کہ خیالوں کے لئے اپنے ماضی سے لمحہ بھر کے لئے دامن چھڑانا دشوار ہو جاتا ہے۔

"اسلام آباد سے یثرب تک" ایک سفر نامہ بھی ہے اور مسلمانوں کے تابناک ماضی کے نقش و نگار کا مجموعہ بھی۔ یہ کتاب ان افکار و جذبات کا عکسِ جمیل ہے۔ جو قوموں کے انقلابی ادوار میں ان کے اہل قلم حضرات اور ارباب فکر و دانش کے شعور میں نشو و نما پایا کرتے ہیں۔ قوموں کی زندگی کا ایک ایک کارنامہ اہل فکر، اہل قلم، اربابِ دانش اور خداوندانِ شمشیر و سناں کے اشغال و اعمال کا پرتو ہوتا ہے اور انہی کی کاوش و جہد سے تابناک و تابدار بنتا ہے۔ زمانے کے حالات نے پاکستان کے بہی خواہ، اربابِ دانش کے فکری نشیمن تہ و بالا کر دیئے ہیں۔ وہ ایک لئے اور ایک پیغام لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اور قرطاس و قلم کے اس کارواں کا مقصودِ منزل "اتحاد عالمِ اسلام" ہے۔

"اسلام آباد سے یثرب تک" کے مصنف نے کتاب میں انہی جذبات کا اظہار کیا ہے۔ تحریکِ پاکستان سے عملی وابستگی نے انہیں عالمِ اسلام کی سیاحت پر برسوں مجبور کئے رکھا۔ انقلاب کے بعد

جب میثاقِ استنبول سے "اتحادِ عالمِ اسلام" کی پہلی کڑی پایۂ تکمیل کو پہنچی تو انہوں نے رختِ سفر باندھا اور دو تین سال مسلسل تہران، آبادان، بغداد، بصرہ، عمان، دمشق، بیروت، کویت، مدینہ منورہ، جدہ اور مکہ معظمہ وغیرہ عربی شہروں میں گزارے۔ ممالکِ اسلامیہ کے دانشوروں اور صحافیوں سے ملاقاتیں کیں۔ ان کے اشاعتی اداروں کو دیکھا۔ ان کے پیمانۂ فکر و عمل اور سوچۂ علم و ادب کی پنہائیوں کا جائزہ لیا۔ اسی سیاحت کے دوران انہوں نے ایران، عراق، اردن، شام اور دوسرے دیار و امصار کے مقابر میں آسودۂ راحت بزرگانِ دین کی زیارات بھی کیں اور حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ روضۂ اقدس رسول مقبول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حاضری کی سعادتِ عظمیٰ سے بہرہ ور ہوئے۔ اور ان ساعتوں کے دوران بھی بہت کچھ حاصل کیا۔

مصنف نے لکھا ہے کہ:-

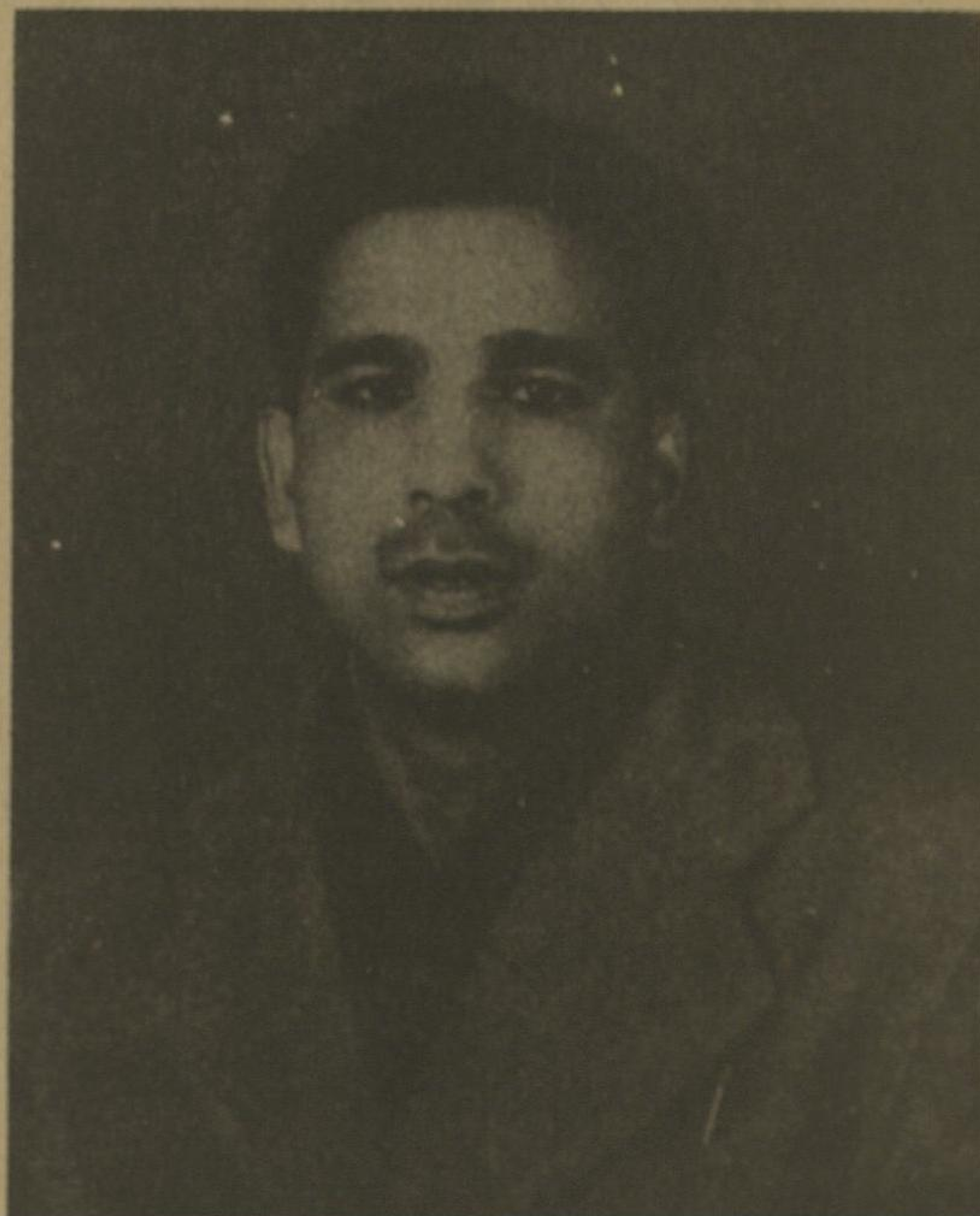
"اہل پاکستان اور اہلِ عرب کے درمیان اغیار کے پیدا کئے ہوئے فکری بعد کو دور کرنے میں "اسلام سے یثرب تک" کا سفرنامہ اہم کردار ادا کرے گا۔

میرے خیال میں یہ غلط اندازِ فکر نہیں۔ کتابیں مختلف اذہان اور مختلف اقوام و ملل کو قریب ترلانے میں واقعی بڑی معاون بنا کرتی ہیں اور اس سفرنامے کے محبوب دلآویز اسلوب تحریر سے محبت و اخوت کے یہ چشمے جو کچھ زیادہ معدوم بھی نہیں اور زیادہ جوش سے ابلنے لگیں گے۔

دعاگو

[illegible]

۵ر شوال مطابق ۶ر جنوری ۱۹۶۸ شمسی



خاکِ درِ رسالت مآب ؐ

الحاج حکیم **فضل الرحمٰن** چشتی، قادری

آفس سیکرٹری پاکستان مسلم لیگ اسلام آباد

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل طاؤس و رباب آخر



حرفِ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میری انتہائے نگارش یہی ہے
ترے نام سے ابتدا کر رہا ہوں

قبرص میں میکاریوس کے مظاہر، عالمِ عرب میں اسرائیل کے ناجائز قیام اور پچاس لاکھ مسلمانوں کی زرخیز وادیٔ کشمیر پر بھارت کے غاصبانہ قبضے اور قتل و غارت کے لامتناہی سلسلے کے نتائج کے طور پر جو آفاتِ ارضی مسلمانوں پر نازل ہوئیں اور ہو رہی ہیں۔ انہوں نے مسلمان فرماں رواؤں کے دلوں میں عالمِ اسلام کے اتحاد کی ضرورت و اہمیت کو اُجاگر کر دیا ہے اور اب انگریز کے بوئے ہوئے تخمِ اختلافات کے اثرات پر بھی یہ ضرورت غالب آتی نظر آنے لگی ہے۔

اِتحادِ عالمِ اسلام کا موضوع عمر کے اعتبار سے خاصا ضعیف ہے لیکن اب اس نے اپنی ضعیفی کے باوجود اُمتِ مسلمہ میں زندگی کی نئی لہر دوڑا دی ہے۔ بالخصوص جب سے پاکستان، ایران اور ترکیہ نے میثاقِ استانبول کے ذریعہ عالمِ اسلام کے اتحاد کا پہلا مرحلہ مکمل کیا۔ اور باہم اشتراک و تعاون کے معاہدوں سے مواصلات و معاشیات اور تعمیر و ترقی میں دُور رس نتائج کے حامل ترقیاتی منصوبوں کا آغاز کیا ہے، صالح فکر عربی مفکرین و سیاسئین بھی اسلامی ملکوں کے باہمی اتحاد کے کرنے لگے ہیں۔

مَیں نے عالمِ عرب کے ہر چھوٹے بڑے ملک کی سیاحت کی ہے۔ اور وہاں کے ہر ادنیٰ و اعلیٰ طبقہ سے تعلق استوار کر کے پاکستان اور پاکستانیوں کے بارے میں وہاں کے اکثر لوگوں کے جذبات و خیالات معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، اور مجھے یہ لکھتے وقت خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ پاکستان کے بارے میں عرب و حجاز کے ہر مکتبِ خیال میں بڑا احترام پایا جاتا ہے۔ اور وہاں کے اَدبی و علمی حلقے اس بات کے خواہش مند ہیں کہ جس طرح پاکستان، انڈونیشیا اور ایران سے اَدبی، علمی اور طلبار کے وفود کے تبادلے کر کے باہمی روابط کو استوار کر رہا ہے۔ اسی طرح عرب ممالک، بالخصوص حجاز، شام، لبنان، اُردن اور عراق کے طلبار، اور مفکّرین کے وفود کی ضرورت بھی محسوس کرنی چاہیئے۔ تاکہ اہلِ پاکستان ہماری محبت و اخوت اور اہلِ عرب پاکستانیوں کے جذبۂ برادرانہ سے متاثر ہوں۔ اور ہمارے درمیان اگر کہیں اجنبیت کی کوئی دیوار موجود ہو تو وہ خود بخود مسمار ہو جائے۔

صدر ناصر نے جب عرب قوم پرستی کی تحریک کا آغاز کیا تھا تو قرب و جوار کے عرب ممالک کے جوانوں اور مفکروں میں فکر و خیال کے نئے الاؤ روشن ہو گئے تھے۔ اور دیکھتے دیکھتے اہلِ مصر نے برسوں سے سویز کے کنارے خیمہ زن سفید سامراج کے سفینے کو بحیرۂ رُوم کی بے رحم موجوں کے حوالے کر کے ایک عظیم الشان بین الاقوامی بحری شاہراہ کو قومی ملکیت میں لے لیا تھا۔ اس دوران ناصر کی اس تحریک کے تذکرے پاکستان کے مفکروں، شاعروں اور ادیبوں کی مجلسوں میں بڑی عقیدت سے ہوتے تھے۔ پاکستانی اخباروں نے بھی اس تحریک کے بچپن اور جوانی کے اَدوار میں بہت کچھ لکھا۔ اور ہر پاکستانی اس نئے افکار کی علمبردار تحریک سے خاصا متاثر تھا۔ اب یہی مرتبہ دُنیائے عرب میں میثاقِ استانبول کو حاصل ہے۔ جسے کئی عرب دانش وَر مفکر اور صحافی دل سے "اتحادِ عالمِ اسلام" کی پہلی کڑی

قرار دیتے ہیں اور جوں جوں میثاق کی استواری بڑھ رہی ہے۔ عرب کے دانش ور حلقے اس کی افادیت واہمیت کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اور اگر عرب دنیا میں اعلیٰ سفارتی ذرائع کے توسط سے اِس میثاق کے حق میں پروپاگنڈہ کیا جائے تو نہ صرف بھارتی سفارتی ذرائع کے بعض بے بنیاد شوشوں کا ابطال آسان ہو جائے گا۔ بلکہ اس سے ہم عرب دانش وروں کے انتہائی ذہین اور بالغ فکر حِصّے کی دلی حمایت بھی حاصل کر سکیں گے۔

عرب دنیا اور پاکستان کو قریب تر لانے میں حسب ذیل اقدار اہم ترین کردار ادا کر سکتی ہیں۔

- پاکستان کے مسلمانوں کا ماضی، عرب دنیا کے ماضی سے جُدا نہیں۔ عربی دنیا میں انبیاء واولیاء — اور مصلحین کے مقابر و زیارت گاہیں اہلِ پاکستان کو عربوں کے قریب لانے کے لئے کافی ہیں۔
- پاکستان اور عرب، دونوں اجنبی سامراج کے زخم خوردہ ہیں۔
- عرب، فلسطین کے مسئلہ میں اور پاکستان، کشمیر کے تنازعے کے لحاظ سے سخت مصائب سے دوچار ہیں۔
- دونوں کو بے خانماں مہاجرین کے مسائل کا سامنا ہے۔ اِس لیے باہم اشتراک و تدابیر سے مسائل سُلجھا سکتے ہیں۔

اِس کے علاوہ کئی اور روابط ہیں۔ جو اہلِ پاکستان اور دنیائے عرب کو قریب تر لانے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ **اِسلام آباد سے یثرب تک** کی تدوین کا واحد مقصد بھی یہی ہے کہ مَیں اِس کتاب کے ذریعے عالمِ اِسلام کے دو توانا حِصّوں کو قریب لانے کی بقدرِ ہمّت کوشش کروں۔ کیوں کہ فکری اور شعوری اجنبیت کو کتاب کے ذریعے بھی دُور کیا جا سکتا ہے۔ اور اہلِ پاکستان اور عربوں کے دِل تو ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ہمارے درمیان کوئی ایسی دیوار بھی موجُود نہیں جسے ختم کرنے میں کسی دِقّت کا امکان ہو۔

اِسلام آباد سے یثرب تک کا پہلا حِصّہ اِسلام آباد سے تہران تک کے سَفر کی رُوئیداد پر مشتمل ہے۔ دوسری اور تیسری جلد کی اشاعت میں پاکستان میں کاغذ کی گرانی اور دوسرے طباعتی مسائل حائل ہیں۔ لیکن ان آخری حصوں کی اشاعت کا مرحلہ بھی جلد ہی طے کر لیا جائے گا۔ یقین ہے کہ پاکستانی احباب جو مشرقِ وسطےٰ کے ممالک ماضی و حال، شہر و دیہات اور مقابر و زیارات کے بارے میں تازہ ترین معلومات کے خواہشمند

ہیں۔ اسلام آباد سے یثرب تک کے اس پہلے حصے کو بے حد پسند کریں گے۔

خطاطِ دربِ رسالت مآب

حکیم فضل الرحمن چشتی





تمہید

برِصغیر کے مسلمانوں کی جس پَود نے اپنی تاریخی جد وجہد اور بے مثال قربانیوں سے بھارت ورش میں ایک عظیم الشان، شاداب و سرسبز اور وسیع و عریض اسلامی ریاست پاکستان کا قیام ممکن بنایا تھا وہ اب بڑھاپے کے مہ و سال گزار رہی ہے۔ اس پَود کی نظروں میں تابناک اور قابلِ فخر ماضی کے ہنگامے آج بھی موجود ہیں۔ پاکستان سے لازوال محبت اس کی زندگی کا دوسرا نام ہے۔ اِس جاں باز پَود کا ایک ایک فرد، خواہ وہ بازارِ سیاست میں ہے یا رزم گاہِ جہاں کے کسی اور گوشے میں، پاکستان کا دالا و شیدا ہے۔ اور اس کی ترقی و استحکام کی تمنائیں اس کے لبوں کی دعائیں بنی رہتی ہیں۔

اِس قابلِ فخر پَود نے ایک وقت میں تین محاذوں پر جنگ لڑی۔

۱۔ انگریز کے خلاف۔

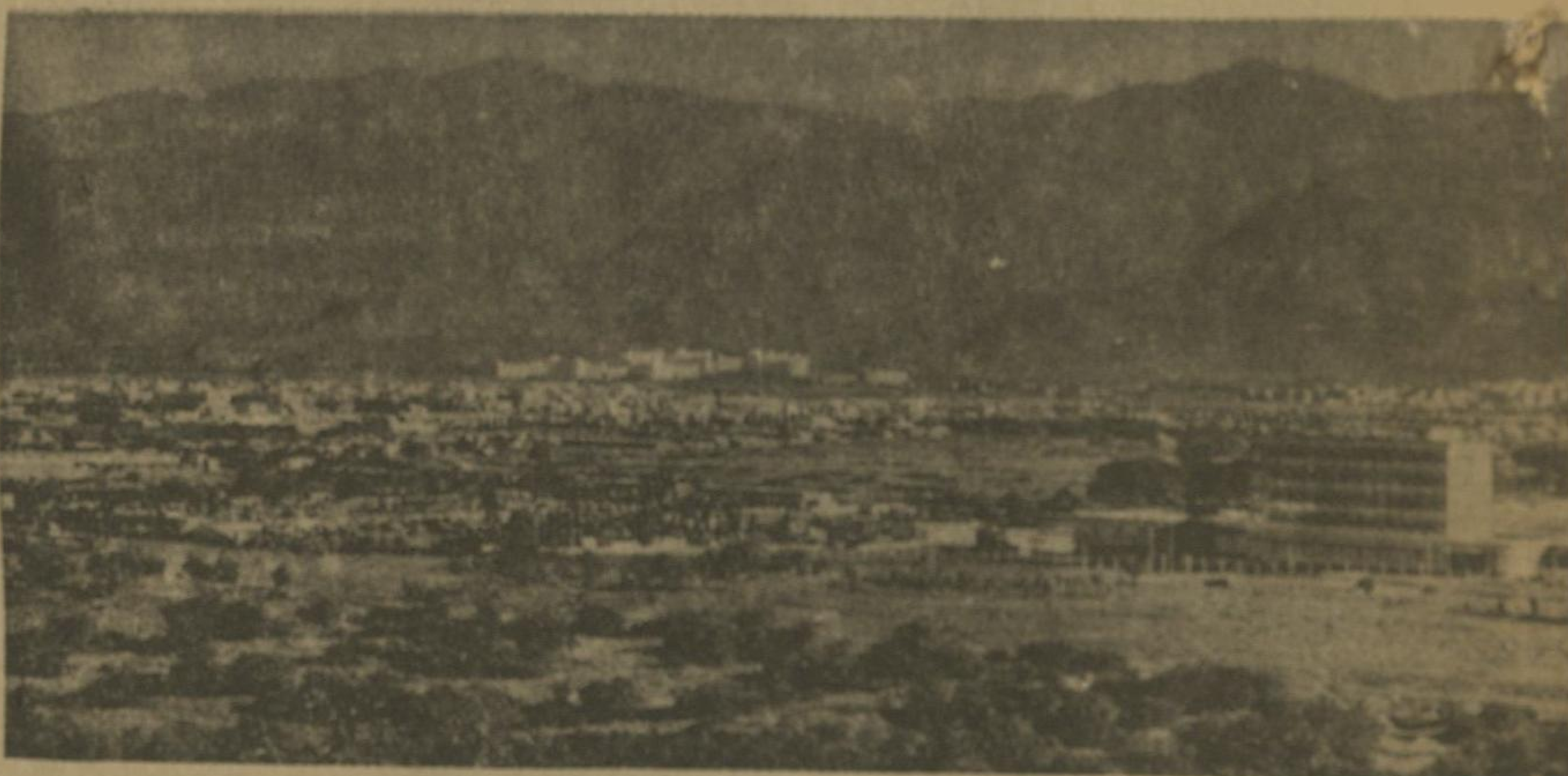
۲۔ ہندوؤں اور سکھوں کی مشترک سازشوں کے خلاف۔

۳۔ اپنی صفوں کے مفاد پرستوں، اور ملت فروشوں کے خلاف۔

اور آخر اس کا قافلہ سخت جاں، پاکستان بنانے میں کامیاب ہُوا۔ اس کامیابی اور تاریخی کارنامے کے وجود میں آنے میں کئی عوامل نے کام کیا۔ سب سے پہلا درجہ برِصغیر کے مسلمانوں کی حریت پسندی کا ہے۔ کہ انہوں نے اجنبی سامراج کو مار بھگانے کے لئے طویل اور صبر آزما جنگ لڑی۔ دوسرا درجہ ہندوؤں کی فرقہ پرست ذہنیت تھی۔ اور تیسرا درجہ ہمارے بے مثال خاندانی نظامِ زندگی کا ہے۔ جس کا تعلق گذشتہ چودہ سو سالہ تاریخ سے وابستہ تھا۔

جس پود نے پاکستان کے قیام کو ممکن بنایا وہ علم دوست، مذہب پرست اور آزادی پسند نسل تھی جس کی تعمیر و تربیت میں ہمارے آباؤ اجداد کے علم و فضل، سیرت و کردار، اور ــــ قوتِ عمل نے اہم حصہ لیا اس نسل نے "الہلال" اور "ہمدرد" پڑھا، اس کے فاضل مدیر کی قید و بند کی صعوبتوں اور آتشیں تقاریر کو سُنا، اعلیٰ ترین اسلامی مکاتب و مدارس کی فضاؤں کو دیکھا۔ افغانی، رُومی اور دوسرے مسلمان دانشوروں کی تعلیمات نے بھی اس نسل کے فکر و عمل کو متاثر کیا۔ اِس نسل نے مولانا محمد علی جوہر کی دلیرانہ حق گوئی کے مظاہرے اور ظفر علی خاںؒ کی شعلہ بیانی کا عالم بھی دیکھا تھا۔ بعد میں اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ نے اس ملتِ پریشاں کو ایک مقصد کے لئے للکارا۔ تو قافلہ تشکیل پا گیا۔ جس نے ایک منزل کی طرف کوچ کیا۔ تو ہر رکاوٹ کو رَوندتا ہُوا قرینِ منزل ہُوا ــــ کیوں کہ پاکستان بن چکا تھا۔

اِس ساری تمہید کا مقصد یہ تھا۔ کہ مَیں یہ واضح کر سکوں کہ قوموں کو جگانے، بنانے اور سنوارنے میں کتنا وقت لگتا ہے۔ اور اس میں کس قدر انسانوں کی زندگی کے کارنامے مشعلِ راہ بنتے ہیں۔ بہر حال پاکستان بننے کے بعد بہت جلد حضرت قائدِ اعظمؒ ہمیں تنہا چھوڑ گئے۔ بعد میں کاروانِ حُریت کے دوسرے ممتاز راہنما بھی یکے بعد دیگرے اس بزمِ جہاں سے رُخصت ہو گئے۔ حالات نے کئی کروٹیں لیں۔ اور کراچی سے بہت دُور نئی دہلی نے بار ہا ہماری آزادی کو حریصانہ نظروں سے دیکھا۔ لیکن پاکستان کے چراغِ زندگی میں اتنے شہیدوں، جوانوں، بوڑھوں اور معصوم بچوں کا خون موجود ہے۔ کہ وہ تا اَبد رَوشن رہے گا۔



پاکستان کے دس کروڑ فرزندانِ توحید کی امنگوں اور تمناؤں کے مرکز اسلام آباد کا ایک منظر

اسلام آباد — پاکستان کی عظمتوں کا امین

۱۹۵۸ء میں انقلاب آیا، جس کے رہنماؤں نے کراچی کے بجائے راولپنڈی کے قریب سید پور کی سرسبز وشاداب ہلالی پہاڑیوں پر نیا دارالحکومت تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا۔ دفاعی ضروریات کا تقاضا بھی یہی تھا کہ پاکستان کا دارالحکومت یہیں تعمیر کیا جائے۔ انقلابی حکومت نے نئے دارالحکومت کا نام اسلام آباد تجویز کیا ہے اور اب یہ نام نہ صرف مقبول ہو چکا ہے بلکہ پاکستانی عوام کے ماضی وحال کی طرح مستقبل کی راہوں کا آئینہ دار بھی ہے

اسلام آباد کی تعمیر سے اس علاقہ میں مدتوں سے آباد ہزاروں کنبے اور افراد متاثر ہوئے ہیں جنہوں نے بڑی خندہ پیشانی سے سونا اُگلنے والی زمینیں اور باغات اپنی حکومت کے حوالے کر دیئے تاکہ پاکستان کے نئے دارالحکومت کی تعمیر اس کے شایانِ شان ہو سکے۔ حکومت نے بھی ان وفاشعار اور ایثار پیشہ خاندانوں کو معقول معاوضہ دے کر دوسرے شہروں میں آباد کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں

کیا۔ اب یہ تمام افراد ہر طرح سے مطمئن ہو کر اسلام آباد کی تکمیل کے منتظر ہیں۔

یوں تو پاکستان کا سارا علاقہ تاریخی لحاظ سے شہرۂ آفاق تہذیبوں کا مرکز رہا ہے۔ لیکن اسلام آباد کا تاریخی مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ اسلام آباد سرزمینِ پوٹھوہار میں ہے جس کی تاریخ بڑی عظیم و قدیم ہے۔ سکندرِ اعظم جب سارے جہاں کو فتح کرنے کے خواب دیکھتا ہوا یہاں پہنچا۔ تو پورس کی افواج نے اُسے خوابِ گراں سے چونکا دیا اور اس سرزمین پر جس سخت مزاحمت سے وہ دوچار ہوا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکندری فوج کے دل ٹوٹ گئے۔ اور بے چارے کولمبس کے ساتھیوں کی طرح سکندر مقدونی کے سپاہی بھی ہمت ہار بیٹھے۔



ملکۂ کوہسار مری کا ایک منظر

اسلام آباد کے قریب ٹیکسلا میں قدیم تہذیب کے آثار ہیں۔ دوسری طرف مانکیالہ اور قرب و جوار کے علاقے ہندو اور بدھ تہذیب کے متمدن ادوار کے مراکز ہیں جہاں اشوک اعظم کی رفاہی اور تبلیغی سرگرمیوں کے نشانات ہیں۔ اس مرحلے پر مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اشوکِ اعظم کو ہندوستان میں ہندو تہذیب کا علمبردار

مانا گیا ہے اور بھارتی جھنڈے کا چکر اشوکِ اعظم کی عظمت و شوکت کے اعتراف کی علامت کے طور پر شامل ہے۔ حالاں کہ اشوکِ اعظم کی زندگی کے دو مشہور دور ہیں۔ بُدھ مت کا حلقہ بگوش ہونے سے پہلے اشوک، اشوکِ اعظم نہیں تھا۔ ہندو مت کا پیرو ہونے کے پورے دور میں وہ ایک سفاک، حریص، جارح اور توسیع پسند حکمران تھا۔ پیل دستو سے وحدت کا پیغام بلند ہوا اور اس کی تعلیمات برہمنوں کے



زخمی پاکستانی سرفروشوں کی طبی امداد کے لئے ایران سے آنے والی نرسوں کا ایک گروپ فوٹو

ستائے ہوئے انسانوں میں آسودگی اور اطمینانِ قلبی کی دولت لٹانے میں معروف تھیں کہ اشوک نے کالنگا کی مشہور جنگ لڑی جس میں اتنا قتلِ عام ہوا۔ کہ اشوک ہندو مت سے بیزار ہو گیا۔ اُسے یقین آگیا کہ اس کے ہندو مشیر اور ہندو مذہبی پروہت اور برہمن اسے جس راستے پر لے جا رہے ہیں اور ہندو مت زندگی کے جن اصولوں کی رہنمائی کرتا ہے وہ حکمرانی کی اعلیٰ قدروں اور خود انسان کی عظمتوں کے منافی ہے چناں چہ کالنگا کی جنگ جیتنے کے بعد اس نے ہندو مت کو چھوڑ دیا اور بدھ مت کو قبول کر کے اپنی زندگی کے اس دور میں قدم رکھا جس نے اسے ابدی عظمتوں سے مالا مال کر دیا۔ اس دور میں اشوک

نے ایک رحمدل، انسان دوست اور انصاف پسند حکمران کی حیثیت سے فرماں روائی کی اور زمانے کی زبان نے اُسے "اشوکِ اعظم" کا خطاب عطا کیا۔ اس دَور میں اشوک نے رفاہی ادارے اور مذہبی ادارے قایم کیے۔ تمام سلطنت کے مشہور اور بارونق شہروں کے قُرب وجوار میں بُدھ کی تعلیمات کو



اسلام آباد کے نواح میں ایٹمی توانائی کے مرکز کی ایک پرشکوہ عمارت

پہاڑوں کی چٹانوں پر کندہ کرایا، بتوں کی تراش خراش سے عبادات کے تصوّرات کو عام کرنے کی کوشش کی۔

اس اعتبار سے اشوک اعظم بدھ مت کے لیے تو بلاشبہ "اشوکِ اعظم" ہے۔ لیکن ہندو جاتی کی طرف سے اس "پذیرائی" اور قبولیت کا کوئی جواز نہیں ملتا، لیکن ہندو مت جو آج کل بھارت میں حکمراں مذہب ہے اور راج مت کہلاتا ہے کا یہ خاصا ہے کہ اس نے ہمیشہ غصب کیے ہوئے مال پر گزارہ کیا اور مانگے تانگے کا پیشہ اختیار کیے رکھا۔ چناں چہ جب اسے موقع ملا۔ تو بدھ مت کے نامور حکمراں "اشوکِ اعظم" کی عظمتوں کو ہندو مت کی عظمتیں قرار دے کر ترنگے میں چکر کو شامل کرلیا۔ حالاں کہ ہندو تہذیب کوئی اشوکِ اعظم پیدا نہیں کرسکی۔

بہرحال ٹیکسلا میں بدھ تہذیب کے شواہد ملنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ سرزمین پوٹھوہار اشوک اعظم کے دَور میں پاٹلی پترا اور بنارس ہی کی طرح متمدّن اور مہذّب تھی اور زندگی کے ہر شعبے میں یہاں کے لوگ ممتاز و ممیّز تھے۔ اِس کے بعد تاریخ اس علاقے کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں بتاتی لیکن حال ہی میں مانکیالہ اور گوری کے علاقہ میں ایک قدیم مسجد کا سُراغ ملا ہے جس کے در و دیوار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر محمّد بن قاسمؒ کے دَور میں ہوئی۔ پھر اسلامی دَور میں یہ علاقہ غوری اور غزنوی لشکر کی ترک تازیوں کا مرکز بنا رہا۔ اِن شمشیر و سناں اور تیغ و تفنگ کے تاجداروں کے دوش بدوش صاحب نظر اور ارباب فکر و مستی نے بھی اس سرزمین کا رُخ کیا، تو اس سارے علاقے میں دینِ حق کا غلغلہ بلند ہوا اور یہاں ایسے جید عالم، مجاہد اور ذی فکر لوگوں نے جنم لیا جو بعد میں فروغِ اسلام کا ذریعہ ثابت ہوئے۔ پاکستان کا مطالبہ ہوا، تو ان دنوں راولپنڈی ڈویژن کا ہر فرد اس کے حق میں نعرہ زن تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب بانئ پاکستان حضرت قائدِ اعظم رح محمد علی جناح کو قیام پاکستان کے بعد جونہی ذرا وقت ملا تو انہوں نے راولپنڈی تشریف لانے کا اعلان کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاقہ پوٹھوہار کی وفا شعاریوں اور پاکستان دوستی کے جذبے سے وہ کس قدر باخبر تھے۔



گورنمنٹ ہوسٹل اسلام آباد کی خوبصورت عمارت

اِنقلابی حکومت آج کل اسلام آباد کی تعمیر و تکمیل میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ اِس وقت تک اکثر و بیشتر وزارتیں اسلام آباد منتقل ہو چکی ہیں۔ اِن وزارتوں کے افسران اور دُوسرے ملازمین کیلئے خُوب صُورت بنگلے اور کوارٹرز تعمیر کیے جا چکے ہیں۔ اکثر فرماں روا اِس نئے شہر کی سیر کر چکے ہیں۔ اِس سال جب عرب و حجاز کے سعُودی فرمانروا جلالۃ الملک شاہ فیصل دورۂ پاکستان پر آئے تو انہوں نے اسلام آباد کی



جنھوں
نے
شجرِ
پاکستان
کی
آبیاری
کی ؟

سیاحت کے دوران اسلام آباد کی جامع مسجد کی تعمیر کے تمام اخراجات خود برداشت کرنے کا اعلان کر کے پاکستان کے دس کروڑ توحید پرستوں کے دل موہ لیئے۔

اسلام آباد جو بڑی تیزی سے پایۂ تکمیل کو پہنچ رہا ہے۔ پاکستانیوں کو وہی عظمت دے گا جو انقلابیوں کے بر سرِ اقتدار آنے کے بعد استنبول کے بجائے انقرہ کے نئے دار الحکومت نے ترکانِ عثمانی کو بخشی ہے اسلام آباد صرف کوچہ و بازار اور باغ و سبزہ زار اور خوب صورت در و دیوار کا شہر ہی نہیں ہوگا بلکہ یہاں سے وہ معاشرہ اور وہ تہذیب جنم لے گی جو دس کروڑ پاکستانیوں کے جذبہ ہائے بلند اور فکر ہائے رفیع کی عکاس و آئینہ دار ہو گی۔ اِس شہر کا مزاج پاکستانیوں کے مجموعی افکار و خیالات کا عکسِ جمیل ہوگا۔ اور اس کے رگ و

پنے کی حرارت اس سرزمین کے سوزِ دروں کی ترجمان ہوگی۔ اسلام آباد سے جو آواز گونجا کرے گی وہ دس کروڑ مسلمانوں کے دِلوں کی آواز ہوگی۔ میرے نزدیک اِسلام آباد کی تعمیر، ایک زندہ جاوید اور دلیر و شجاع قوم کے مزاج، تہذیب، فکر و شعور اور راہِ عمل کی تعمیر ہے۔ اور مبارک ہیں وہ مزدور، وہ صنّاع — اور وہ اذہان جو اس عظیم الشان منصوبے کی تکمیل کے لیے سرگرم عمل ہیں۔



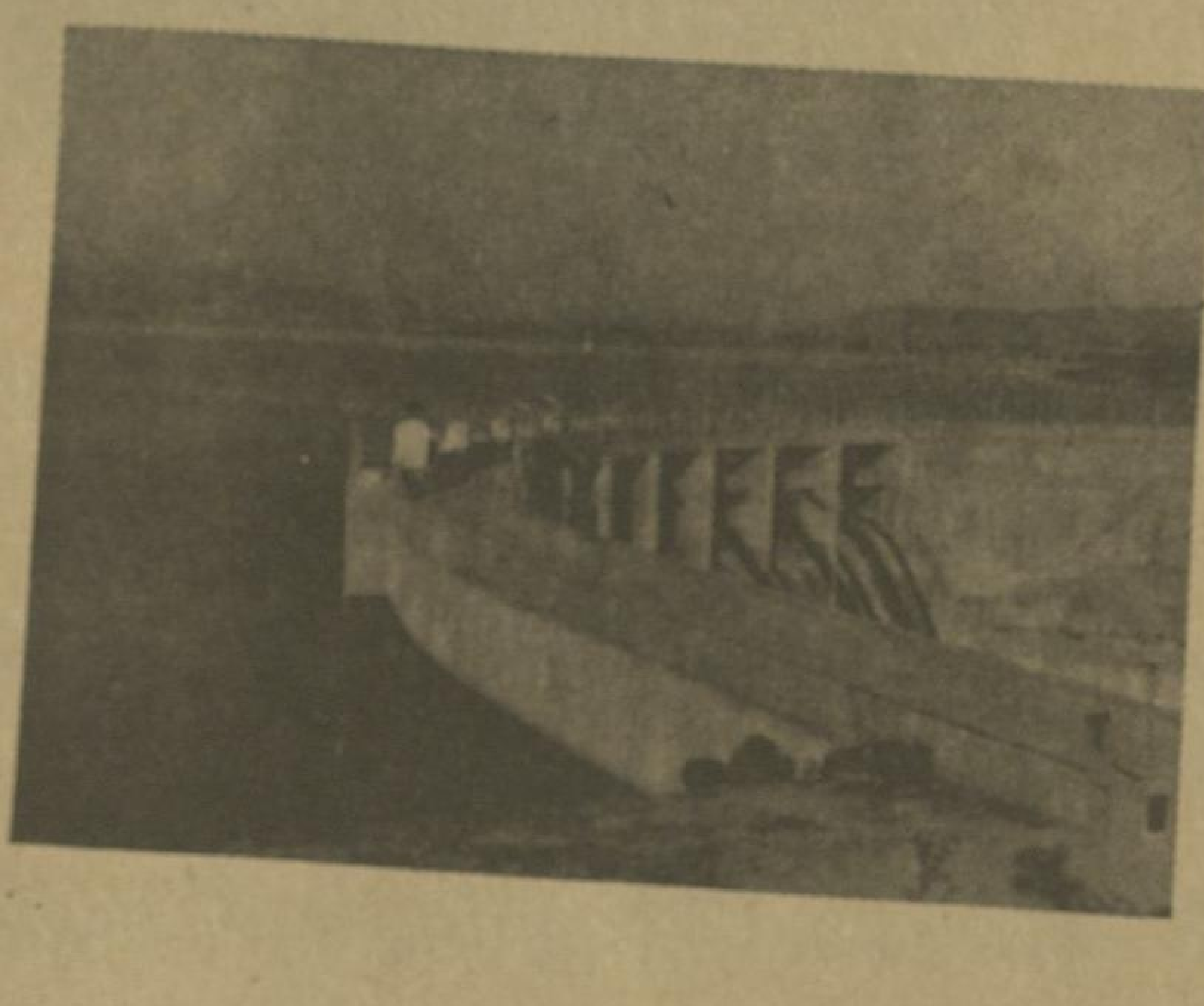
قصرِ صدارت —— قائدِ انقلاب فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کی اقامت گاہ

مَیں نے اوّلین سطور میں لکھا ہے کہ جس نسل نے پاکستان بنایا تھا، وہ کن محفلوں میں بیٹھی، کن جلسوں میں شریک ہوئی، کس ماحول نے ان کی تربیت کی اور کن ہاتھوں میں جوان ہوئی۔ مَیں بھی انہی حالات سے دوچار ہوں۔ بڑھاپے کی ناہموار راہیں میرے بھی سامنے ہیں۔ اور مَیں ہزاروں خیالوں کی رفاقت میں اس پر گام زن ہوں لیکن میرا ماضی لازوال ہے۔ میرے کانوں میں نعرے سنائی دے رہے ہیں۔ انگریز سامراجیوں کے لاٹھی چارج سے گرنے والے حُریّت پسندوں کی صدائیں گونج رہی ہیں اور ان کے جسم سے بہتے ہوئے رنگین فوارے میری نظروں میں محفوظ ہیں۔ مَیں اس جنوں خیز ماضی سے

دامن نہیں چھڑا سکتا۔ مَیں کیا۔ ہر اس دَور کا کوئی جاں باز ماضی کے ان ہنگاموں سے جدا نہیں ہو سکتا — خدا جانے کتنے لوگ ہیں۔ جو آج بھی میری طرح ماضی و حال کے تقابل کے ہاتھوں دل گرفتہ ہیں — اور یُوں تو راہِ حیات میں کبھی آسودہ نہ ہوا۔ پاکستان بنا تو میرے فکر نے مجھے ایک اور منزل کی راہ دکھائی — کہ

بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
گر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی ست

اور یہ کوئی اجنبی منزل نہ تھی، میرے ماحول، میری تربیت اور میری مجلسی و تحریکی زندگی نے یہی کچھ مجھے دیا تھا چناں چہ مَیں نے بھی کئی دوسرے محبانِ پاکستان کی طرح اتحادِ عالمِ اسلامی کی بھولی ہوئی منزل کی طرف رُخ کر لیا۔ مَیں نے سوچا اہلِ عرب اور پاکستان کے درمیان بھارت کا زہریلا پروپیگنڈہ بڑی دوریاں پیدا کر رہا ہے۔ کیوں نہ مَیں پیارے پاکستان کے لئے ان دیار و امصار میں جہاں پاکستان بنانے والوں کے اسلاف کا ماضی منتشر و پریشان پڑا ہے۔ خود جاؤں۔ وہاں کے مسلمان دانش وروں، ممتاز صحافیوں، زعماء



راول ڈیم — اسلام آباد میں آبپاشی اور آب رسانی کا عظیم بند

اور مذہبی راہنماؤں اور ان کے تبلیغی و اشاعتی مراکز کو قریب سے دیکھوں، کچھ اُن سے سنوں اور کچھ اپنی انہیں سناؤں۔ آخر ہمارے زخم ایک سے ہیں۔ ہمارے دشمن مشترک ہیں۔ ہمارے مسائل بھی مشترک ہیں اور ان سب سے قطع نظر یہ کہ ہم سب ایک ہی شمع کے پروانے ہیں۔

چند سال قبل کی بات ہے۔ کہ میں اسلام آباد کے دامن سے اٹھا، رختِ سفر باندھا اور کوئٹہ، زاہدان، مشہد اور پھر تہران تک جا پہنچا۔ یہاں کی آبادیوں سے دور ایک چڑھتے ہوئے سورج کو دیکھا تو میری نگاہوں میں اُس آفتاب کی ضیاء بار کرنیں اتر آئیں جو پونے چودہ سو برس قبل تہران سے منزلوں دور فاران کی رفعتوں پر جلوہ گر ہوا۔ اور جس کے نام کی حرارت سے دس کروڑ پاکستانیوں کے دل بھی آباد ہیں۔ پھر خیالوں کا ایک اور جھونکا آیا تو تمناؤں کا ایک لالہ زار کھل گیا۔ کاش میں بطحا تک جا پہنچوں۔ کاش میں بدر و اُحد کے ذرّوں کو چوم سکوں۔ شاید ان میں کوئی ایسا بھی ہو جس نے حسنِ کفِ پائے رسول ﷺ کا نظارہ کیا ہو اور پھر آنسوؤں کا سلسلہ دراز جو شروع ہوا تو سارے کشتِ آرزو کو سیراب کر گیا ـــــ اور انہی مبارک خیالوں نے مجھے کہا کہ "اسلام آباد سے یثرب تک" کے سفرنامے کو محبانِ رسول ﷺ کے لئے قلم بند کروں تاکہ فاصلوں کے باوجود اہلِ عرب اور پاکستان ایک دوسرے کے بالکل قریب ہوتے چلے آئیں اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اتحادِ بین الاسلامی ممالک کے منصوبے میں حائل نہ ہو سکے۔ آئیے آپ کو راولپنڈی سے کراچی تک لے چلوں کہ یہ میرے سفر کی پہلی منزل ہے۔



مصنف سفر سے چند روز پہلے اپنے ایک دوست محمد یوسف راحت کے ساتھ

کراچی

ہنگاموں کا شہر

راولپنڈی سے ۱۵ نومبر ۱۹۶۴ء صبح دس بجے کی چلی ہوئی عوامی ایکسپریس نے دوسرے روز پورے ۲۸ گھنٹے کے طویل سفر کے بعد دوپہر کے قریب کراچی سٹی سٹیشن پر پہنچا دیا۔ سٹیشن پر برادرم صاحب زادہ الطاف حسین قاسمی اپنے احباب سمیت استقبال کے لیے موجود تھے۔ تھوڑی ہی دیر بعد میں میٹھادر چوک مبارک مسجد میں بیٹھا ہوا اعزہ و اقارب کے درمیان اپنے پیش آمدہ سفر کے بارہ میں تبادلۂ خیال کر رہا تھا۔ مشرقِ وسطےٰ کی طویل و عریض زمین پر سیاحت کا مسرور کُن تصور اور اسلامی دنیا کے رہنے والے مسلمان بھائیوں کو دیکھنے اور ان سے ملنے کا جذبہ دل میں ایک روشن چراغ کی مانند فروزاں تھا۔

دوسرے دن ویزا عراق کے لیے جب سفارت العراقیہ میں گیا تو اپنی تمناؤں اور ارادوں پہ اوس پڑتی نظر آئی۔ اور راولپنڈی کے ٹریولنگ ایجنٹ کی غلط رہنمائی کے نتیجہ میں سترہ روز تک کراچی میں پریشان ہونا پڑا۔ اس نازک موقع پر اگر سیٹھ محمد ابراہیم صاحب مالک کوہِ نور بسکٹ فیکٹری میری معاونت نہ فرماتے تو میرا مشرقِ وسطےٰ کی سیاحت کا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکتا۔ (جزاہم اللہ)۔



بحیرۂ عرب کے کنارے پر کلفٹن کی سفید و بلند عمارات
دیکھ کر اس پر پریزادوں کی کسی بستی کا گمان ہوتا ہے

کراچی پاکستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ مغربی پاکستان کا دروازہ ہے۔ تقریباً چالیس مربع میل پر پھیلا ہوا یہ عظیم شہر بارہ سال تک پاکستان کا دارالحکومت رہا۔ قیام پاکستان کے وقت یہاں کی آبادی چار لاکھ نفوس پر مشتمل تھی۔ لیکن آج کل تقریباً پندرہ لاکھ ہے۔ بہت بڑی بندرگاہ اور ہوائی اڈہ ہونے کے سبب بین الاقوامی کاروبار کا مرکز ہے۔ صنعت و حرفت کے لحاظ سے بھی بہت بڑا شہر ہے۔ بڑی تفریح گاہیں بلند و بالا عمارات وسیع و عریض سڑکیں دنیا بھر کے سیاحوں کے لیے بڑی کشش رکھتی ہیں بازار خوب صورت اور دکانیں ملکی اور غیر ملکی سامانوں سے اٹی پڑی ہیں۔ ایمپریس مارکیٹ، جامع کلاتھ مارکیٹ، بولٹن مارکیٹ بڑے کاروباری مراکز ہیں اور منوڑہ، کلفٹن، ہاکس بے، گاندھی گارڈن، بندر روڈ وغیرہ قابلِ دید مقامات اور تفریح گاہیں ہیں۔

کراچی میں قیام کے دوران مجید لاہوری مرحوم کے "نمک دان" (؟) ...

اِن دنوں صدارتی الیکشن قریب ہونے کی وجہ سے کراچی ہنگاموں کا شہر بنا ہوا تھا۔ ایسے موقعوں پر جو کچھ ہوتا ہے اس سے سب آگاہ ہیں۔ اَور تو اور بس ڈرائیوروں نے بھی راہگیروں کو کچلنا چھوڑ کر سیاست کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ہوٹل اور قہوہ خانے آباد، ہر شخص کی زبان پہ کوئی نہ کوئی سیاسی نعرہ اور ہر محفل کا محبوب موضوعِ سخن "سیاست" تھا۔ طلبار نے پڑھنا لکھنا چھوڑ مزارِ قائدِ اعظم رح، آرام باغ مسجد اور دوسرے اہم مقامات پر جلسے جلوسوں کے پروگرام مرتب کرنے شروع کر دیئے۔ ہر جانب ہنگاموں کا بازار گرم تھا۔

مَیں دن بھر پاسپورٹ دفتروں، عدالتوں اور وکیلوں کے گھروں کی خاک چھانتا اور شام کو میٹھادر میں اپنی رہائش گاہ پہ آجاتا۔ یہاں مولانا عبدالمجید قریشی اور صاحب زادہ الطاف حسین قاسمی خطیب مبارک مسجد کے الطافِ کریمانہ اور پرخلوص جذبات دن بھر کی تھکاوٹ ذائل کر دیتے۔ صاحب زادہ الطاف حسین، پیر صاحب موہڑہ شریف (مری) کے خلیفہ ہیں اور مومنانہ قلب و نظر کے مالک۔ انہیں سیاستِ حاضرہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ بعد نمازِ عشار اپنے حلقہ کے چند نیکدل اور دین پسند احباب کے ساتھ اللہ ہو کی محفل جم جاتی۔ جو قریباً ایک گھنٹہ تک رہتی۔ اِس محفلِ رُوحانی میں بس اللہ اور اِس کے دین کی باتیں ہوتیں، اور دینِ اسلام کی عظمتوں کے تذکرے ایک روز سنا گیا کہ "طلبار پر لاٹھی چارج ہوا۔ بعد نماز عشار معلوم صاحبزادہ



کراچی کے گاندھی گارڈن کا ایک روح پرور گوشہ

کے دل میں کیا سمائی کہ مجھ سے "طلباء اور سیاست" کے موضوع پر اپنے خیالات کے اظہار کی فرمائش کردی۔ میں نے چند لفظوں میں جو کچھ ہو سکا اپنے خیالات کا اظہار کر دیا۔ اس روحانی محفل میں اپنے نظریات بیان کرتے ہوئے میں اسی قدر کہہ سکا کہ :-

"وہ تمام سرگرمیاں جو تعلیم کی راہ میں حائل ہوں ایک طالبِ علم کے لیے زہر ہلاہل کا درجہ رکھتی ہیں۔ طالبِ علم کی ذات سے قوم کی بہت سی تمنائیں وابستہ ہوتی ہیں ان میں سے کوئی کسی ملک کا سربراہ بنتا ہے، کوئی مذہبی لیڈر اور کوئی عظیم موجد بن کر ملک وملت کے کام آتا ہے۔ کیا وہ مستقبل کے معمار ہو سکتے ہیں جو پڑھنے کا وقت بھی سیاست کی نذر کر دیتے ہیں۔"؟

ہمارے ہاں ایسے طلباء کی کمی نہیں ہے جو فلموں کے رسیا، گلیوں میں آوارہ گھومنے کے شائق اور گندہ لٹریچر پڑھنے والوں میں پیش پیش رہتے ہیں انہیں محنت سے نفرت اور تفریحات سے دلچسپی ہوتی ہے۔ یہ سال بھر نہیں پڑھتے لیکن امتحان میں ناجائز ذرائع سے کامیاب ہونے کی ان تھک کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے بیشتر اس سے بے خبر ہیں کہ مستقبل ان کی ذات سے



پاکستان کی دو طالبات ملکہ کوہسار مری کی ایک شاہراہ پر



قمر ہاؤس بلڈنگ کراچی کا ایک منظر

کیا چاہتا ہے؟ مکمل سترہ روز دوستوں اور محبتوں کی اس محفل میں گزارے اور پھر ۱۰ دسمبر ۱۹۶۴ء کی صبح بولان میل کے ذریعہ کوئٹہ کی راہ سے اپنے وطن سے دور، بہت دور جانے کے لیے انجن کی سیٹی کا انتظار کر رہا تھا۔ میرے خیالوں میں عجیب و غریب صورتیں ابھرتی اور مٹتی رہیں۔ عربی اور فارسی کے دل آویز جملے جو میں نے کتابوں میں پڑھے تھے دماغ میں گونجنے لگے اور میرے سامنے میرا بھائی صاحبزادہ کھڑا آنسوؤں سے پُر آنکھوں اور خاموش لبوں سے مجھے جانے سے روک رہا تھا۔ میں نے اس کی خاموش بیانی کو اس کے چہرے سے پڑھ لیا لیکن میرا ارادہ اٹل تھا۔ انجن نے وسل دیا اور میں دوستوں اور عزیزوں سے گلے مل کر ڈبے میں اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔ میری سیٹ کھڑکی کے پاس تھی۔ گاڑی نے آخری وسل دیا اور میں نے کھڑکی سے سر باہر نکال کر دیکھا صاحبزادہ الطاف حسین، مولانا محمد قاسم، محمد اقبال احمد گجراتی اور دوسرے احباب کی آنکھیں پُرنم تھیں۔ گاڑی نے رینگنا شروع کر دیا اور میں اپنے بھائیوں اور عزیز دوستوں کی آنکھوں میں آنسوؤں کے سیلاب، زبانوں پر "خدا حافظ" کا کلمہ اور ہاتھوں کو محبت اور شفقت سے لہراتا چھوڑ کر کراچی کینٹ سٹیشن سے دور تر ہوتا رہا۔ بولان میل اپنی رفتار تیز سے تیز تر کر رہی تھی۔ میرا ذہن ماضی کے دھندلکوں میں کھو گیا اور راولپنڈی کی پُرسکون زندگی اور ماحول کی یاد اور بہن بھائیوں، والدین اور بچپن کے دوستوں کی یاد نے تڑپا دیا۔ سچ ہے ؎

حبِ وطن از ملکِ سلیماں خوشتر
خارِ وطن از سنبل و ریحاں خوشتر
یوسفؑ کہ بمصر پادشاہی مے کرد
مے گفت گدا بودنِ کنعاں خوشتر

لیکن جلد ہی مَیں نے اپنے احساسات و خیالات پر قابو پالیا اور پیش آئندہ سفر کے لیئے مختلف پروگرام مرتب کرنے شروع کر دیئے۔

پھر ۱۱ دسمبر دوپہر کے قریب کوئٹہ کی یخ بستہ ہواؤں نے استقبال کیا اس غضب کی سردی میں مجھے یاد نہیں کہ کس طرح گاڑی سے باہر نکلا اور "گرینڈ ہوٹل" تک پہنچا کیونکہ سردی میری رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی۔

کوئٹہ سطح سمندر سے ساڑھے پانچ ہزار فٹ بلندی پر واقع اور کراچی سے ۵۰۰ میل شمال مغرب سطح مرتفع بلوچستان کا ایک بڑا شہر اور تجارتی مرکز ہے۔ درۂ بولان کے سرے پر واقع ہونے کے سبب پاک افغان کے درمیان تجارتی حیثیت کا حامل ہے ایک فوجی چھاؤنی، صحت افزا مقام اور پھلوں کی بڑی منڈی ہے یہاں کا انگور اور سَردا مشہور ہیں یہاں ایک فوجی کالج بھی ہے۔ گرمیوں میں موسم انتہائی خوش گوار رہتا ہے۔ لیکن سردی شدید پڑتی ہے۔

مَیں کوئٹہ کی سردی کو برداشت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا تھا اس لیئے اگلے روز صبح دس بجے "زاہدان" کے لیئے کمرِ ہمت باندھی اور کوئٹہ سے زاہدان جانے والی ٹرین پر سوار ہوگیا۔



ایران شعر و نغمہ کی سرزمین

ایک عظیم قوم کا وطن جس
کا ماضی ستاروں کیطرح درخشندہ ہے

پاکستان سے جنوب مغرب کی سمت اور منطقہ معتدلہ شمالی میں واقع ایک عظیم خطۂ ارضی پر پھیلا ہوا ملک ایران نہ صرف اہلِ ایران کے لیئے مقدس سرزمین کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ پاکستانی بھی اسے عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں ہمیں ایران سے اس لیئے بھی پیار ہے کہ ہمارا یہ قریبی ہمسایہ پاکستان کا نہایت عزیز دوست ہے۔ اس تعلق کے علاوہ صدیوں سے یہ دونوں ملک تاریخی ثقافتی اور دینی رشتہ میں ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔

ایران کا رقبہ سولہ لاکھ اڑتالیس ہزار مربع کیلومیٹر ہے ۔ یہ زمین جرمنی، فرانس، انگلینڈ، سویزرلینڈ، ہالینڈ، ڈنمارک اور بلجیم کے مجموعی رقبوں کے برابر ہے۔ ایران میں زیادہ تر صحرا اور پہاڑ ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی رُو سے ایران کی کل آبادی دو کروڑ نفوس پر مشتمل ہے۔ مذہبی لحاظ سے نوّے فی صد شیعہ مسلک کے لوگ ہیں دس فی صد سُنی مسلمان اور دوسری قومیں ہیں آجکل قریباً ۲½ کروڑ کی آبادی ہے۔

حدودِ اربعہ حسبِ ذیل ہے :-

شمال میں بحرِ خزر اور روس، مشرق میں پاکستان اور افغانستان جنوب میں بحرِ عُمان و خلیج فارس اور مغرب میں جمہوریہ عراق اور ترکیہ واقع ہیں۔

یہاں کے بلندوبالا پہاڑی علاقوں میں خوب برف باری ہوتی ہے اور وادیوں میں موسم انتہائی خوشگوار رہتا ہے پاکستان کی طرح ایران بھی ایک زرعی ملک ہے لیکن یہاں کی سب سے بڑی دولت تیل ہے یوں تو ایران کی ایک ایک اِنچ زمین قابلِ دید ہے لیکن خصوصی طور پر مشہد مقدس، اصفہان، تہران، تبریز، ہمدان شیراز وغیرہ مشہور اور خوب صورت شہر ہیں اور دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

معاشیات: اسّی فی صد لوگ کاشت کاری کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے زرعی ملک ہے

شمال مغربی علاقے زرخیز ہیں جنوبی اضلاع کے بعض علاقوں میں بھی کاشت کاری ہوتی ہے وسطی علاقہ بنجر اور ریتلا ہے۔

مال مویشیوں کی کثرت ہے۔ چراگاہیں بے شمار ہیں جہاں سے جانوروں کے لیئے چارہ مہیا ہوتا ہے۔

جنگلات بھی کافی ہیں جہاں سے سوختنی اور عمارتی لکڑی مہیا کی جاتی ہے۔

گندم، جَو، تیلوں کے بیج، چاول، کپاس، چقندر، زیرہ، زعفران، تمباکو وغیرہ اجناس کی پیداوار اچھی خاصی ہے اور بعض فاضل اجناس دساور کو بھی بھیجی جاتی ہیں۔ چائے بھی پیدا ہوتی ہے لیکن ملکی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی۔

گندم تقریباً بہتر لاکھ ایکڑ زمین پر کاشت کی جاتی ہے اور یہ معتدل آب و ہوا کے حلقوں میں بکثرت ہوتی ہے۔

جَو تقریباً تیس لاکھ ایکڑ زمین پر کاشت کیئے جاتے ہیں۔

چاول تقریباً دس لاکھ ایکڑ زمین زیر کاشت ہے اور سب سے زیادہ گیلان کے علاقہ میں ہوتے ہیں۔

تمباکو کیسپین کے علاقہ میں، زیرہ کرمان کی پیداوار ہے اور زعفران مشہد کے گرد و نواح میں پیدا ہوتا ہے۔

درآمد و برآمد: ایران کی سب سے بڑی برآمد تیل ہے سب سے زیادہ زرمبادلہ کمانے کا ذریعہ بھی یہی ہے۔ ایران ہر سال تقریباً دو کروڑ ٹن تیل باہر کے ممالک کو بھیجتا ہے اناج تمباکو، پھل اور مچھلی وغیرہ بھی دوسرے ممالک کو بھیجی جاتی ہے۔ جب سے شہنشاہِ ایران نے کسانوں کو اپنی اراضیات کے وسیع رقبے تفویض کیئے۔ ایران میں اناج و اجناس کی پیداوار خاصی بڑھی اور ان سے بہت بڑی مقدار دساور کو بھیج کر زرمبادلہ کمایا جاتا ہے۔ ویسے ایران بھی پاکستان کی طرح زرعی ملک ہے اس لیئے یہاں زرعی ترقی کے لیئے بڑی جدوجہد کی جارہی ہے اور سارے ایرانی کسان زراعت کاری کی جدید راہوں پہ گامزن ہیں بہرحال ایران کی برآمدات میں تیل، اجناس، مچھلی کے علاوہ ایرانی عوام کی اپنی گھریلو صنعتوں کا حصّہ بھی شامل ہے ان میں قالین بافی کی صنعت کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ اس نفیس گھریلو صنعت میں اہلِ ایران کا کوئی قوم مقابلہ نہیں کرسکتی۔ ایرانی قالین باہر کی دنیا میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اس لیئے یہ بھی بہت برآمد کیئے جاتے ہیں



ایرانیوں اور پاکستانیوں کے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں

شیخ عشرت علی شہنشاہِ ایران کا استقبال کررہے ہیں

ایران میں بھاری کارخانوں اور بڑی صنعتوں کے قیام کی داغ بیل ڈالی جا رہی ہے۔ لیکن فی الحال فولاد، ادویات، گاڑیاں اور کئی قسم کے کپڑے، نیز پرزے اور سامانِ زیبائش و آرائش وغیرہ باہر سے درآمد کی جاتی ہیں۔ ایرانی حکومت برآمد بڑھا کر درآمدات کا حجم گھٹانے کے لیئے پوری طرح کوشاں ہے اور اس غرض سے کئی اصلاحات و اقدامات کیئے جا رہے ہیں۔

صنعت و حرفت:۔ اہلِ ایران، قالین و غالیچہ بافی میں دنیا بھر میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ اصفہان، مشہد، کرمان، آذربائیجان اور شیراز وغیرہ شہر دستکاری اور صنعت و حرفت کے مراکز ہیں۔ علاوہ ازیں ایران کے بڑے بڑے شہروں میں چینی اور قند بنانے والے کارخانے، کپڑوں کی ملیں، کیمیکل و دوا ساز ادارے، سگریٹ، دیا سلائی، سیمنٹ اور صابن ساز فیکٹریاں، چمڑہ رنگنے کے کارخانے، عطر بنانے والے اور مچھلیوں کو ڈبوں میں بند کرنے والے ان گنت کارخانے قائم ہیں جنمیں ہزاروں اور لاکھوں افراد کام کرتے ہیں۔

نظامِ مواصلات:۔ ایران میں ریلوے لائن دو، اڑھائی ہزار میل لمبی ہے اور سڑکیں پانچ ہزار میل سے زیادہ طویل ہیں اور روز بروز مواصلات کو ترقی دی جا رہی ہے۔

ریلوے لائن درجِ ذیل مقامات تک جاتی ہے:۔

- تہران سے خرم شہر۔
- تہران سے تبریز۔
- تہران سے مشہد۔
- تہران سے کاشان۔
- برانچ لائن، تبریز سے جلفا روس کی سرحد تک)

سڑکیں بیشتر کچی ہیں لیکن کشادہ اور بہتر ہونے کی وجہ سے آمد و رفت کے لیئے موزوں ہیں۔

فوج و دفاع:۔ ایران کی بری، بحری اور ہوائی فوج بہت قوی ہے۔ اس معاملہ میں روس اور امریکہ دونوں ممالک ایران کی معاونت کرتے ہیں اسی باعث بلحاظِ دفاع ایران ایک طاقت ور ملک شمار ہوتا ہے۔ ایران کے اپنے ہمسایہ ممالک سے بہترین تعلقات ہیں اور پاکستان کا تو حقیقی معنوں میں رفیق ہے پاکستان کی طرح ایران بھی سینٹو (CENTO) کا ممبر ہے۔

تعلیم :- ایران کو صحیح معنوں میں جدید اقوام کے دوش بدوش کھڑا کرنے اور اعلیٰ متمدن ملک بنانے کی غرض سے شہنشاہِ ایران اور ان کی ملکہ فرح پہلوی نے اَن تھک کوششیں کی ہیں۔ بے شمار تعلیمی ادارے علک میں سرگرمِ عمل ہیں۔ لڑکیاں لڑکوں کی بہ نسبت تعلیم کے میدان میں زیادہ حصّہ لے رہی ہیں۔ آج ایران کے کسی شہر میں بھی شاذ و نادر ہی کوئی لڑکی اَن پڑھ ملے گی۔ یتیموں کے لیئے الگ سکول قائم ہیں۔ نرسنگ کے بہترین ٹریننگ سنٹر ہیں۔ آج کل بیس لاکھ سے بھی زیادہ طلبا۔ اندرونِ ملک مختلف اداروں میں زیرِ تعلیم ہیں اور بیس ہزار ایرانی طلبا، ممالک غیر میں حکومت کے خرچہ پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ تعلیم کے جملہ اخراجات حکومتِ ایران خود برداشت کرتی ہے ملک میں تعلیم کا نظام "مفت تعلیم" کی بنیادوں پہ چلتا ہے۔ تہران، مشہد، تبریز اور شیراز یونیورسٹی تعلیم کے اعلیٰ مراکز ہیں جہاں ملکی زبان کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، ترکی اور دوسری زبانوں کی تعلیم دی جاتی ہے۔ تعلیم عام کرنے کے لیئے سپاہِ دانش کی بنیاد رکھی گئی ہے۔

ابتدائی سکول "دبستان" کہلاتا ہے۔ جہاں جماعت اوّل سے ششم تک تعلیم دی جاتی ہے۔

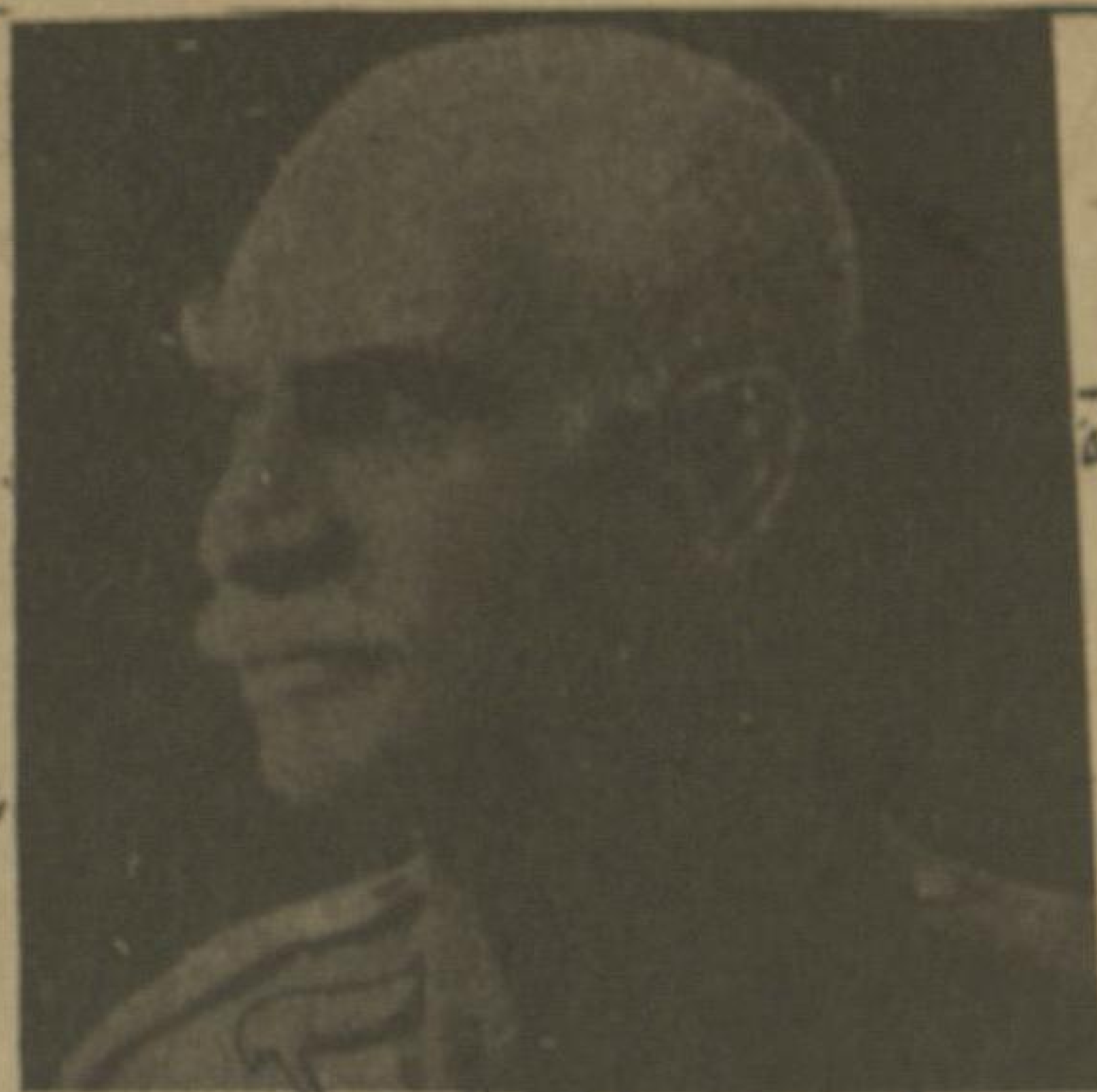
ثانوی سکول "دبیرستان" کہلاتا ہے جہاں پھر چھ جماعتیں ہیں۔ دبیرستان سے فراغت کے بعد دانشگاہ (یونیورسٹی) میں داخل ہونا پڑتا ہے۔ دانشگاہِ تہران میں ۲۵ ہزار کے لگ بھگ طلبا کی تعلیم کی گنجائش ہے

ایران ایک قدیم اور تاریخی مملکت ہے۔ یہاں آج سے چار ہزار سال قبل آریا قوم وارد ہوئی تھی اور یہاں کے قدیم باشندوں سے اس سرزمین کو بزور حاصل کرکے اپنے نام سے اسے آباد کیا تھا۔ (ایران کے معنی ہیں آریائی قوم کا مسکن)۔

آریا قوم کے تین عظیم فرقوں ماد، پارس اور پارت نے اس کشور کے مختلف حصّوں پر اپنے اپنے اَدوار میں حکومتیں تشکیل دیں، اپنی حدود کو وسیع سے وسیع تر کیا اور خوب نام پیدا کیا۔ آذربائیجان، کردستان اور ہمدان وغیرہ میں قومِ ماد نے حکمرانی کی، جنوبی ایران میں قوم پارس نے اپنی حکومت تشکیل دی اور اس کے بعد پارتیوں نے خراسان میں اپنے پرچم لہرائے اور پھر سکندر اعظم (یونانی) نے اس سلطنت کو ختم کرکے اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی لیکن ایرانی قوم جو غیر کی حکومت برداشت کرنے کی عادی نہیں تھی بالآخر اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئی اور ساسانی بادشاہوں نے ایک بار پھر غیروں سے حکومت چھین لی۔

ساسانی دَور میں عرب کے ریگزاروں سے اسلامی تحریک اٹھی اور آنِ واحد میں پورے عجم پر چھا گئی۔ ایرانی بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ساسانی شہنشاہ یزدگرد نے اسلامی لشکر کے ہاتھوں شکست کھائی اور یہاں کے باشندے اسلام کی اعلیٰ تعلیمات اور ہمہ گیری کی بنا پر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے پھر اس سرزمین نے اسلام کے بڑے بڑے اور جلیل القدر فرزند پیدا کیے۔ فلسفہ، حکمت، ریاضی، علم و ادب اور شاعری میں ایسی ایسی بلند شخصیات اس خاکِ وطن سے اٹھیں کہ قیامت تک ایران ان پر بجا طور پر ناز کر سکتا ہے۔ امام غزالیؒ، بو علی ابن سیناؒ، امام رازیؒ، فریدالدین عطارؒ نیشاپوری، بایزید بسطامیؒ، بلبلِ شیراز سعدیؒ و حافظؒ، ابوالقاسم فردوسیؒ اور ایسی ہی اَن گنت ہستیوں نے یہاں جنم لیا اور ایک ایسی تہذیب یہاں سے اُبھری جس نے دنیا کو منور کیا اور جس کی ضیا پاشیوں نے بڑی بڑی اقوام کو محوِ حیرت کر دیا۔

اہلِ ایران نے اسلام تو قبول کر لیا لیکن ان کے ذہن غیر کا تسلط قبول نہ کر سکے اور جلد ہی عربوں کی حکومت سے آزاد ہو کر اپنی (سلجوقی) حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ سلجوقی دَورِ حکومت میں ایران کو پھر ایک عظیم فتنہ سے دوچار ہونا پڑا یہ بلائے ناگہانی عالم اسلام پر بجلی بن کر گری۔ لاکھوں انسان قتل ہوئے، نایاب علمی ذخائر نذرِ آتش کر دیئے گئے اور اسلامی تہذیب و تمدن کو نیست و نابود کر دیا گیا۔ تاریخ گواہ ہے کہ چنگیز خان کی ہلاکت آفرینی سے ایران کو سب سے زیادہ نقصان پہنچا۔ لاکھوں معصوم انسانوں کا خون بہا کر منگولوں نے اس سرزمین پر اپنی حکومت قائم کی۔



رضا شاہ کبیر

پھر اسی سرزمین پر صفوی، زندی اور قاچاری خاندانوں نے بالترتیب حکومتیں کیں اور ایران تاریخ کے اوراق میں پھر روشن قندیل کی طرح جگمگانے لگا۔ قاچاری خاندان کے آخری تاجدار احمد شاہ قاچار کو ۱۹۲۱ء میں رضا شاہ پہلوی مرحوم نے معزول کر کے اقتدار سنبھال لیا اور پہلوی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اپنی مدبرانہ صلاحیتوں کے بل بوتے پر اس دور کی پیدا شدہ سیاسی خامیوں اور بے چینی کا ازالہ کر کے تھوڑے ہی عرصے میں رضا شاہ کبیر نے ایران کو متمدن اقوام کی صف میں کھڑا کر دیا۔

دوسری جنگِ عظیم میں جرمنی سے دوستی کی پاداش میں رضا شاہ پہلوی روس و برطانیہ کے عتاب کا شکار ہوئے اور معزول کر دیئے گئے۔ ان کی جگہ محمد رضا شاہ پہلوی (موجودہ حکمران) وارثِ تخت و تاج قرار دیئے گئے۔ رضا شاہ کبیر نے ایامِ جلاوطنی میں ۱۹۴۴ء میں جوہنسبرگ میں وفات پائی۔

مرحوم رضا شاہ نے اپنے دورِ حکومت میں فلاح و بہبود اور ملکی ترقی کے بہت سے کام کیئے اور ملتِ ایرانیہ کو ہر لحاظ سے ایک متمدن اور باشعور قوم بنانے کے لیئے اَن تھک محنت کی۔ رفاہِ عامہ کے ادارے، سکول، کالج، ہسپتال اور خوب صورت عمارات بنوائیں۔

موجودہ شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی اگرچہ کم سنی میں ہی برسرِ اقتدار آئے تھے لیکن اپنے والد کی طرح جلد ہی مقبولِ خاص و عام ہو گئے۔ آپ کو عوام کی بہبود کا ہر وقت خیال رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام کو بھی آپ سے پیار ہے۔ آپ نے ایران کو جدید ترقی یافتہ اقوام کے ہم پلہ بنانے میں اپنے والد سے بھی زیادہ کام کیئے ہیں آج کے ایران میں جو دل کشی اور رعنائی پائی جاتی ہے اس میں زیادہ تر موجودہ شہنشاہ محمد رضا شاہ پہلوی کی کوششوں کا حصہ ہے

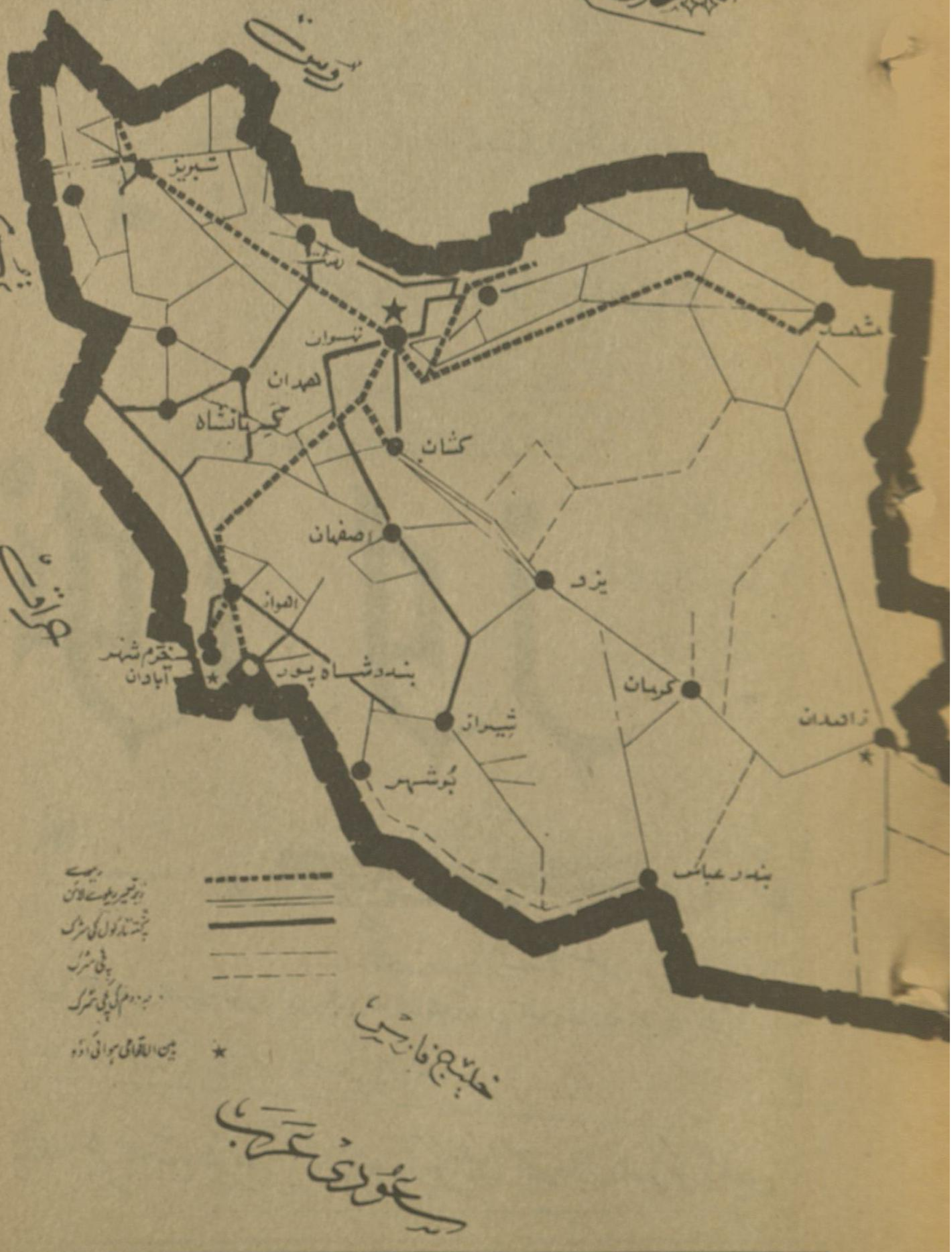
سرودِ ملّی ایران

شاہنشہ ما زندہ بادا   پاید کشور بفرش جاوداں
کز پہلوی شد ملک ایراں   صد رہ بہتر ز عہدِ باستاں
از دشمناں بودی پریشاں   در سایہ اش آسودہ ایراں
ایرانیاں پیوستہ شاداں   ہموارہ یزداں بود اورا نگہباں

اے پرچم خورشید ایراں   پرتو افگن بر روئے ایں جہاں
یاد آور از آں روزگاری   کاسود از برق تیغت ہر کراں
در سایہ ات جاں می فشانیم   از دشمناں جاں می ستانیم
ما وارث ملک کیانیم   ہمیشہ خواہیم وطن را از دل و جاں

بودیم و ہستیم پیرو حق   جز حق ہرگز نخواہیم از جہاں
با شہ پرستی مملکت را   داریم از دست دشمن در اماں
ما پیرو کردار نیکیم   روشن دل از پندار نیکیم
رخشندہ از گفتار نیکیم   شدہ زیں فضائل بلند آوازہ ایراں

ایران — شعر و شعلہ کی سرزمین





اعلیحضرت محمد رضا شاہ پہلوی آریا مہر شہنشاہ ایران

شہنشاہِ ایران محمد رضا شاہ پہلوی ۲۶ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو ایران کے پایۂ تخت تہران میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم تہران میں حاصل کی اور پھر ثانوی تعلیم کے لیئے بارہ برس کی عمر میں سویزرلینڈ تشریف لے گئے اس دوران آپ کے فارسی کے معلّم، آقائے مستشار بھی آپ کے ہمراہ رہے۔ سویزرلینڈ میں آپ نے فرینچ زبان میں عبور حاصل کیا۔

۱۹۳۰ء میں آپ نے وطن کی طرف مراجعت کی اور تہران میں فوجی تعلیم و تربیت حاصل کی، اور فوج میں کمیشن لیا ساتھ ہی اپنے والدِ محترم کی نگرانی میں امورِ سلطنت میں بھی باقاعدہ حصہ لیتے رہے جس سے آپ کو حکومت کا وسیع تجربہ حاصل ہوا۔

۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ء کو آپ سریر آرائے سلطنت ہوئے اس کم سنی میں جب کہ آپ کی عمر

صرف بائیس سال کی تھی ملک کے بقا اور استحکام کی تمام ذمہ داریاں آپ کے نازک کندھوں پہ آ پڑیں۔ لیکن اس نازک اور پُر آشوب دور میں بھی آپ نے حسنِ تدبیر سے ملک کو داخلی و خارجی لحاظ سے استحکام بخشا اور ملک میں ہر طرح سے امن وامان بحال کیا۔



اعلیٰحضرت شہنشاہ ایران کی بچپن کی ایک یادگار تصویر

سنہ ۱۹۵۱ ش میں زرعی اصلاحات نافذ کیں۔ اور اپنے دو ہزار دیہات کسانوں کو طویل مدت کی اقساط پہ عطا کیے ان رفاہی اقدامات سے ایران کی زرعی پیداوار اور زیرِ کاشت رقبے میں زبردست اضافہ ہوا اور تمام ایرانی کسان خوش حال ہو گئے۔

سنہ ۱۹۵۵ ش میں بیس کروڑ ڈالر سے ایک سات سالہ ترقیاتی منصوبے کا آغاز کیا جس سے ایران نے حیرت انگیز ترقی کی۔

سنہ ۱۹۶۲ ش میں شہنشاہ ایران نے کسانوں اور مزدوروں کی خوش حالی، تجارت پیشہ اور صنعت کاروں کے لیے بہتر مواقع فراہم کرنے اور عورتوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے اصلاحات کا ایک چھ نکاتی بل ملتِ ایرانیہ کے سامنے پیش کیا۔ اس منصوبے کو پوری قوم نے نہ صرف سراہا بلکہ اس بل پہ اکثر لوگوں نے اپنے خون سے دستخط کیے جس سے ایرانیوں کی اپنے تاجدار سے لازوال عقیدت و محبت کا ثبوت ملتا ہے۔

یہ بل درجِ ذیل چھ نکات پہ مشتمل تھا:۔

۱۔ زرعی اصلاحات کا نفاذ۔

۲۔ جنگلات کا قومی ملکیت قرار دینا۔

۳۔ نجی کارخانوں میں مزدوروں کا حصہ۔

۴۔ سرکاری کارخانوں میں مزدوروں کا حصہ۔

۵۔ سپاہِ دانش کی تشکیل۔

۶۔ انتخابات میں عورتوں کے مساوی حقوق۔

یہ منصوبہ ایک آئین کی حیثیت سے پورے ایران میں نافذ ہوا۔ سب سے پہلے شہنشاہ نے اپنی تمام زمینیں مزارعوں میں تقسیم کر کے زرعی اصلاحات میں خشتِ اوّل رکھی اور اس انقلاب انگیز منصوبے پر عمل کیا۔ آگے چل کر اس منصوبے نے ایرانی معاشرے کے ڈھانچے کو ہی بدل ڈالا۔ ازاں بعد اس کی مقبولیت کے مدِنظر اس میں درجِ ذیل تین شقوں کا اضافہ کیا گیا۔

۷۔ حفظانِ صحت۔

۸۔ دیہات سدھار۔

۹۔ ضمنی عدالتیں۔

اب یہ منصوبہ نونکاتی منصوبہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے نے ملک میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ایک ایسا انقلاب جس سے ملک میں بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئیں لیکن اس انقلاب کو برپا کرنے کے لیئے ایک قطرہ خون بھی نہیں بہایا گیا اسی وجہ سے اس عظیم انقلاب کو اہلِ ایران انقلابِ سفید کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

سپاہِ دانش — ایک عظیم القاصد تحریک

انقلابِ سفید کا سب سے خوش گوار اثر تعلیم و تربیت پر پڑا۔ ایرانی دستور کے مطابق تعلیمی اداروں سے فارغ التحصیل نوجوانوں کے لیئے ضروری ہے کہ وہ دو برس تک فوجی تربیت حاصل کرے اس کے بغیر کسی شخص کو بھی ایرانی قومیت کا سرٹیفکیٹ نہیں ملتا اور نہ ہی وہ سرکاری اداروں میں ملازمت کر سکتا ہے۔ شہنشاہِ ایران نے اس قانون میں یہ ترمیم کی کہ فارغ التحصیل نوجوان بجائے فوج کی تربیت حاصل کرنے کے دو سال تک ناخواندگی کے خلاف جہاد کرے یہ لوگ دور دراز دیہاتوں میں جا کر قوم کے بچوں اور دوسرے ناخواندہ افراد کو زیورِ علم سے آراستہ کرنے کے کام پہ مامور ہو جاتے ہیں۔ جہالت کے خلاف نبرد آزما یہ جماعت سپاہِ دانش کہلاتی ہے۔

اس گروہ کے بتیس ہزار افراد اب تک اپنے فرائض سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں۔ ان میں آٹھ

سو میں افراد ایسے ہیں جو اپنے کام کی مدت ختم ہونے کے باوجود رضاکارانہ طور پر کام کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ سپاہ دانش نے اب تک لاکھوں کی تعداد میں عورتوں، مردوں، لڑکوں اور لڑکیوں کو تعلیم و تربیت دی ہے۔

سپاہِ دانش علمی خدمات کے علاوہ خدمتِ خلق کے میدان میں بھی بڑا کام کر رہی ہے اِس تحریک نے شاہراہوں اور مساجد کی تعمیر، کسانوں اور کاشت کاروں کو جدید تقاضوں کے مطابق کھیتی باڑی کی تربیت، حفظانِ صحت کے اصولوں کی تعلیم اور اپنی مدد آپ کے تحت رہنمائی کرنے میں قابلِ ستائش کام سر انجام دیئے ہیں۔ اِس کے علاوہ سماجی بہبود کے دوسرے کاموں میں بھی لوگوں سے عملی معاونت اِسی تحریک کا کام ہے

شیر و خورشید سرخ

اِس کے علاوہ ملک میں بے شمار رفاہی ادارے سرگرمِ عمل ہیں۔ لیکن میں یہاں پر صرف شیر و خورشید سُرخ کا ہی مختصر ذکر کروں گا

شیر و خورشید سُرخ:۔ ایران کا ایک بہت بڑا اور اہم رفاہی ادارہ ہے اس کی تشکیل ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ ابتدار سے آج تک اس ادارے نے اَن گنت رفاہی کام کیے ہیں۔ اس ادارہ کی شہنشاہ ایران خود سرپرستی کرتے ہیں۔ اور صدر شمس پہلوی شہنشاہ کی دختر ہیں۔ یہ ادارہ ملک میں نوجی بہبود کے مراکز کی نمائندگی کے علاوہ جگہ جگہ ہسپتال قائم کرتا ہے۔

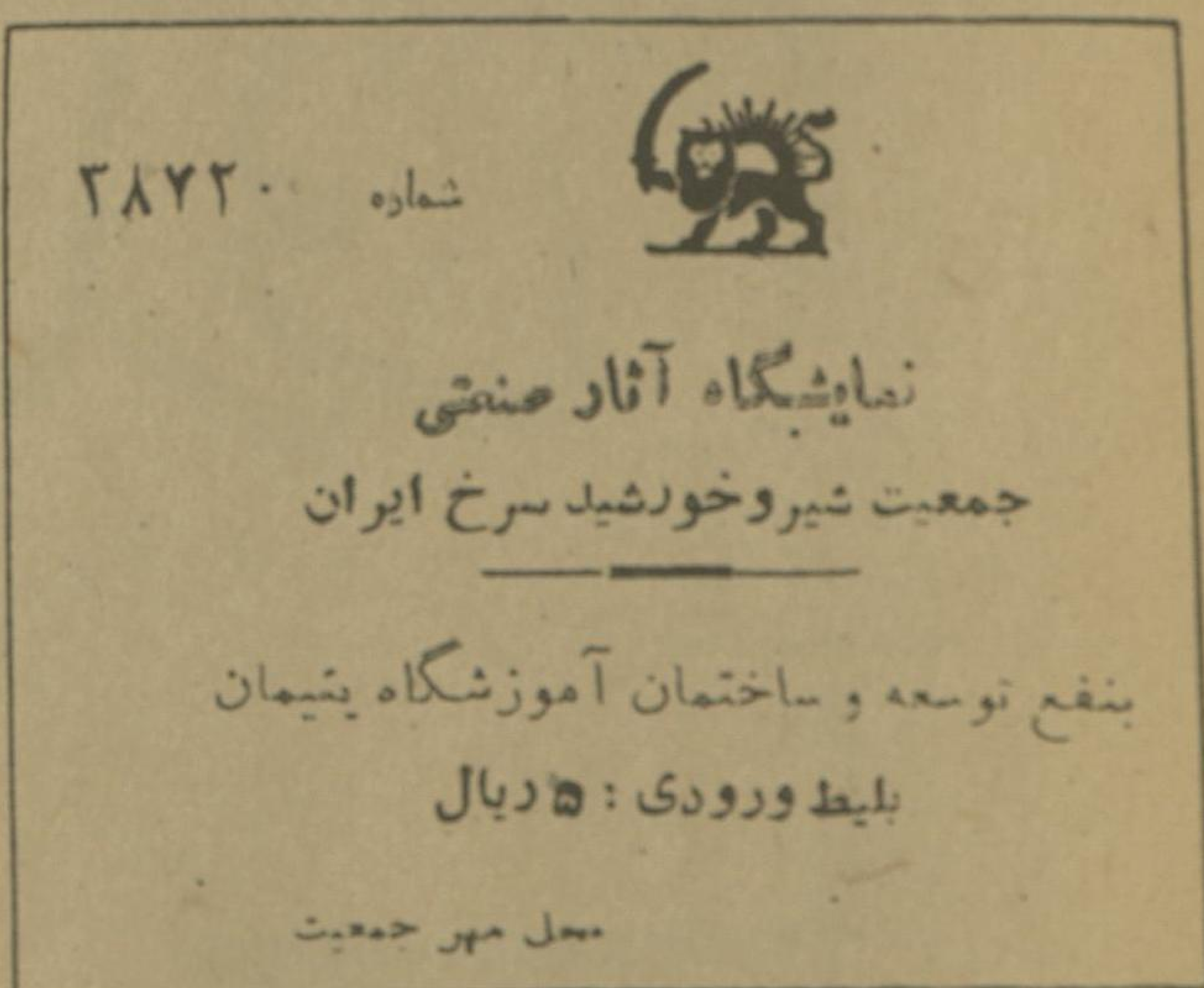
سرطان کے علاج کے لیئے ایک بہت بڑی تجربہ گاہ اور ایک سو بستر کا عظیم ہسپتال اس ادارے کی زیرِ نگرانی کام کر رہا ہے۔ ایک سل و دِق کے علاج کا عظیم مرکز اور ایک بڑا نرسنگ ٹریننگ سنٹر بھی اسی ادارے کی طرف سے جاری ہے۔ بچوں کی دیکھ بھال کے مراکز، یتیم بچوں کی پرورش گاہیں، اپاہجوں، گونگوں اور بہروں کی مدد کے خیراتی ادارے اور ان گنت رفاہی ادارے چلا کر شیر و خورشید سُرخ نے بین الاقوامی شہرت حاصل کرلی ہے۔

شیر و خورشید سرخ زرف



شیر و خورشید سرخ کا امتیازی پرچم

ایران کا ایک ہی ادارہ ہے بلکہ یہ بیرونِ ملک بھی قابلِ ذکر خدمات انجام دیتا ہے اس ادارے نے پاکستان پر بھارت کی جارحیت کے وقت ہر طرح پاکستان کے ساتھ معاونت کی۔ اور عرب دنیا پر اسرائیل کے حملے کے وقت بھی عربوں کو ہر ممکن امداد دی ہے اور تاحال امداد دے رہا ہے



شماره ۲۸۷۲۰

نمایشگاه آثار صنعتی
جمعیت شیر و خورشید سرخ ایران

بنفع توسعه و ساختمان آموزشگاه پشیمان
بلیط ورودی : ۵ ریال

محل مهر جمعیت

شیر و خورشید سرخ کی مصنوعات کی نمائش میں داخلے کے ٹکٹ کا عکس





۲۱ مہر، اکتوبر ۱۹۵۹ء شمسی کو شہنشاہِ ایران نے موجودہ "شہبانو" سے شادی کی۔

شہبانو ۱۴ اکتوبر ۱۹۳۸ء ش کو تہران میں پیدا ہوئیں آپ کے والدِ محترم سہراب دیبا ایرانی فوج میں اعلٰے افسر تھے۔ ابھی آپ ابتدائی مدرسہ میں زیرِ تعلیم تھیں کہ والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا اس وقت سے آپ اپنی والدہ محترمہ "فریدہ دیبا" کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے لگیں۔ آپ نے ابتدائی تعلیم کے بعد ثانوی تعلیم بھی تہران میں ہی حاصل کی اور پھر معماری کی تعلیم کے لیئے دو سال کے لیئے پیرس تشریف لے گئیں جہاں سے آپ نے اس شعبہ میں اعلٰے ڈگری حاصل کی۔

اعلیٰ حضرت شہنشاہِ ایران سے شادی کے بعد آپ نے رفاہی کاموں میں دل چسپی لینی شروع کر دی۔ آپ اپنا بیش تر وقت فلاح و بہبود کے کاموں پر صرف کرتی ہیں آپ "**انجمن خیریہ فرح پہلوی**" کی سرپرست ہیں۔

انجمن مذکورہ ایک رفاہی انجمن ہے جس کے زیرِ اہتمام ملک بھر میں چالیس یتیم خانے قائم ہیں۔ ان میں سے چھ یتیم خانے صرف تہران شہر میں ہیں باقی ملک کے بڑے بڑے شہروں میں ہیں۔ ان یتیم خانوں کا نظم و نسق بہت اچھا اور تعلیم و تربیت اور رہائش و خوراک کا اعلیٰ پیمانہ پر اہتمام ہوتا ہے۔ اس انجمن کے علاوہ آپ اور کئی رفاہی



ریلوے سٹیشن مشہد

اداروں میں عملی دل چسپی لیتی ہیں۔ اس کے علاوہ آپ کو فنونِ لطیفہ اور کھیلوں سے بھی گہری دل چسپی ہے۔ آپ تعلیمی اداروں اور خدمتِ خلق کے دوسرے کام کرنے والے اداروں کی بنفسِ نفیس نگرانی و سرپرستی فرماتی ہیں۔ آپ کو گھڑ سواری اور "اسکی" کا بھی شوق ہے۔

شہبانو ملکہ فرح دیبا کو اہلِ ایران سے حد درجہ پیار ہے۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں جب قزوین میں ایک ہولناک زلزلے سے تباہی مچی تو آپ نے خود متاثرہ علاقے کا دورہ کیا اور مصیبت زدگان کی امداد کی۔

آپ کے تین بچے ہیں پہلا بچہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۰ء ش کو پیدا ہوا یہ بچہ ولی عہد ایران شہزادہ رضا شاہ پہلوی ہے۔ دوسری بچی شہزادی فرح ناز پہلوی ہے جو ۱۱ مارچ ۱۹۶۳ء ش کو پیدا ہوئی اور تیسرا بچہ شہزادہ علی رضا پہلوی ہے جو ۲۸ اپریل ۱۹۶۶ء ش کو پیدا ہوا

ایرانی پارلیمنٹ نے ملکہ کی خدماتِ ملکی کے پیشِ نظر ایک بل کے ذریعے انہیں "نائب السلطنت" کی حیثیت سونپی ہے۔ آپ شہنشاہ کی ریجنٹ مقرر ہوئی ہیں۔

زمانِ گزشتہ میں انسان کس طرح زندگی بسر کرتا تھا اسی آشنائی کا نام تاریخ ہے۔ تاریخ سے آگاہ ہونے کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ ہم اپنے اسلاف سے آشنائی کے ساتھ ساتھ ان کی راست روی کی اتباع اور اپنی خامیوں سے اجتناب کر سکتے ہیں۔ یہی آگاہی ہمیں مادرِ وطن سے سچی محبت کا جذبہ بخشتی ہے۔

ایران کی تاریخ ——— درخشاں وتاباں ہے اور ایرانیوں کو اپنی اس تاریخ پر بجا طور پر ناز ہے اور میں بلا خوفِ تردید کہہ سکتا ہوں کہ ایران کے ان سرخ وسپید محبانِ وطن سے زیادہ میں نے آج تک کوئی قوم میہن پرست نہیں دیکھی ہے۔ انہیں اپنے اسلاف سے پیار ہے اور موجودہ شہنشاہ دام ملکہٗ وسلطنتہٗ کے لیے تو وہ جیتے اور مرتے ہیں۔

اہلِ ایران کی اپنے شہنشاہ سے لازوال عقیدت ومحبت کا یہ ادنیٰ سا نمونہ ہے کہ شاہ کی تاریخ پیدائش تخت نشینی اور دوسری تقریبات پر ایرانی عوام بے حد روپیہ خرچ کرتے اور ہر وقت شاہ کی درازیٔ عمر اور بلندیٔ اقبال کے لیے دعا گو رہتے ہیں

ایرانی طبعاً خوش پوش، خوش خور اور خوش گفتار ہیں۔ شہروں کی سڑکیں کشادہ، صاف ستھری اور ہموار ہوتی ہیں ایرانی پاکستانیوں[۱] سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ صدرِ مملکت فیلڈ مارشل محمد ایوب خان ایرانیوں میں بھی مقبول ہیں۔ کئی ایرانی گھرانوں میں میں نے ان کی رنگین تصاویر کو آویزاں دیکھا ہے۔

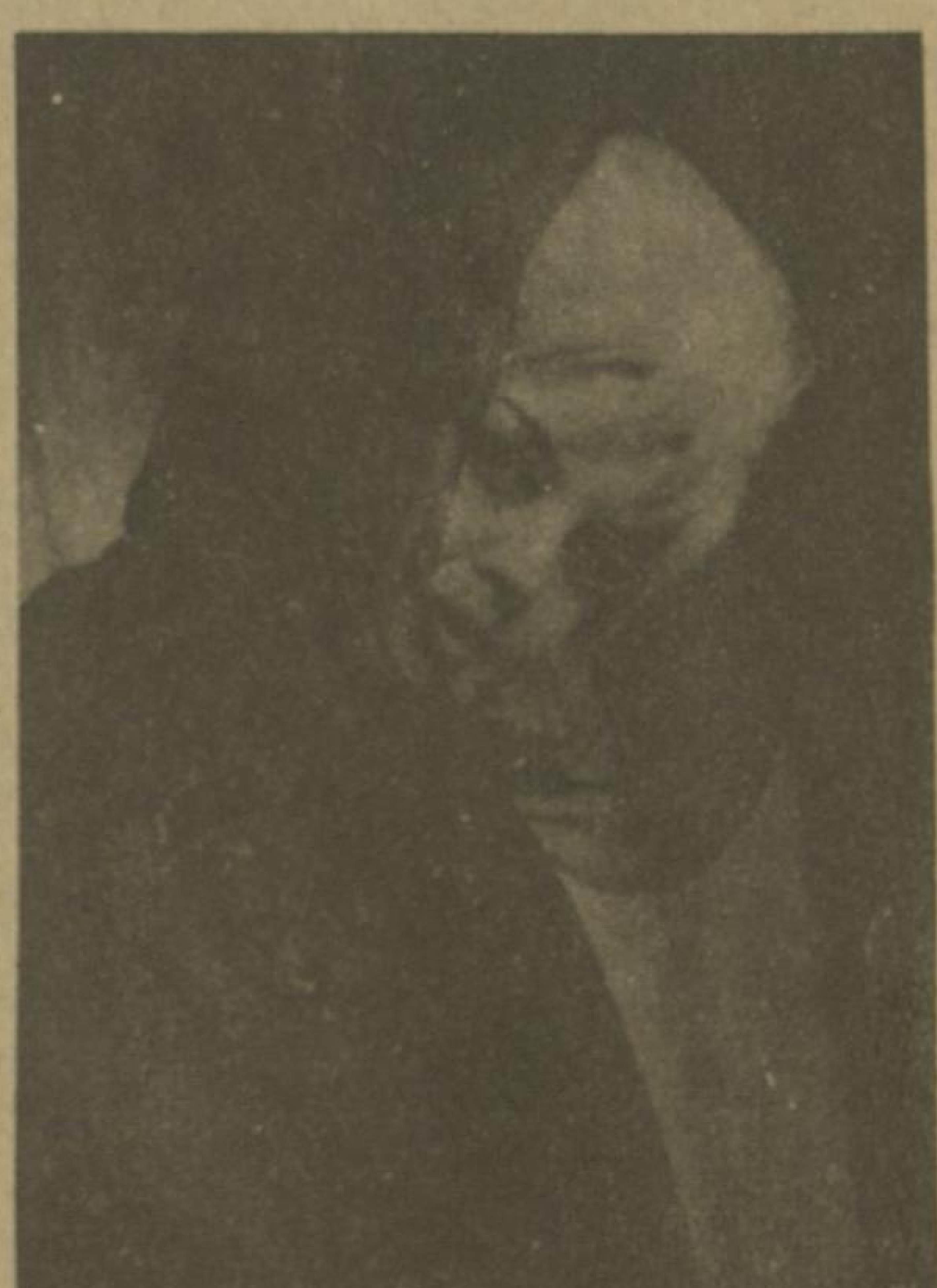
---

[۱] پاکستان پر بھارت کی جارحیت کے دوران ایرانی عوام شدتِ جذبات سے مجبور ہو کر سڑکوں پر بھارت کے خلاف اظہارِ نفرت کرتے تھے۔ دو ہزار ایرانی نوجوانوں نے پاکستانی سفارت خانے میں جا کر پاکستان کے حق میں نعرے لگائے اور پاکستان کی طرف سے لڑنے کی پیش کش کی اور جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ پاکستانی افواج نے بھارتی سورماؤں کو مار بھگایا ہے تو اس خبر پر سُننے والے نے خوشی اور مسرت کا والہانہ اظہار کیا۔

میثاقِ استنبول کی پہلی سالگرہ کے بعد پاکستان اور ایران کے درمیان اخوت و تعاون کی فضا بہت زیادہ خوش گوار ہوگئی ہے اور جوں جوں وقت گزر رہا ہے دونوں ممالک کی دوستی پہلے سے زیادہ مستحکم ہوتی جا رہی ہے ایران میں زیادہ تر بھارتی فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ ایرانی فلم انڈسٹری پر سکھوں کا غلبہ ہے۔ وہ زیادہ تر بھارتی فلمیں منگوا کر انہیں فارسی میں ڈب کرتے ہیں اور اس کے بعد نمائش کے لیئے تقسیم کاروں کو دیتے ہیں۔

پاکستانی فلم ساز اداروں کو ایسے حالات میں ایران میں اپنی مقبولیت کی راہیں ہموار کرنے کے لیئے ایرانی فلم ساز اداروں سے زیادہ سے زیادہ قریب ہونا چاہیئے تاکہ اس پروپاگنڈہ کے مزید خطوط اجاگر ہو سکیں۔ مجھے یقین ہے کہ پاکستانی فلم ساز ادارے اپنے فن و ہنر کی سیاسی نوعیت و اہمیت سے واقف ہوں گے اور وہ مسلمان ممالک خصوصاً ایران میں پاکستانی فلموں کی زیادہ سے زیادہ نمائش کے لیئے کوئی نہ کوئی سلسلہ ضرور شروع کریں گے۔

ایرانی ہوٹلوں میں ہر وقت گاہکوں کی رونق اور آمدورفت رہتی ہے یہاں کے ہر ریستوران کے
نرخ پاکستان کے ریستورانوں
کے نرخوں کے برابر
ہی ہیں۔ ذرا سا فرق کہیں
کہیں محسوس ہوتا ہے۔
یہاں ایک معمولی قسم
کے قہوہ خانہ میں بھی ریفریجریٹر
نصب ہوتا ہے جس میں
"آب تخ" محفوظ رہتا
ہے۔ پاکستان کے ریستورانوں
کے مالکان اس گاہک
کی قدر نہیں کرتے جو دور
گھر سے آئے



پیغمبر حسن و شباب ـــ روفیا

اور ان سے صرف سالن خریدے۔ لیکن ایران میں اس کے باوجود کہ ریستوران میں روٹی کا بھی انتظام ہوتا ہے۔ عام طور پر لوگ روٹی تنور سے لے جاتے ہیں اور ریستورانوں میں پنیر یا کسی شوربہ و استخواں سے کھا لیتے ہیں مگر ریستوران کا مالک ہر ایک کے لیئے دیدہ و دل فرشِ راہ کیئے رکھتا ہے۔ ایران میں سُرخ مرچ کے بجائے سیاہ مرچ کا استعمال ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ یہاں کی آبادی سُرخ و سپید ہے۔

صحافت کے میدان میں بھی ایران بہت ترقی یافتہ ملک ہے۔ بے شمار جرائد و اخبارات ہیں جن میں سے "کیہان" اور "اطلاعات" دو بڑے مقبول اخبار ہیں جو تہران سے شائع ہوتے ہیں اور دوسرے روز تک ملک کے کونے کونے میں پہنچ جاتے ہیں۔ ہر بڑے شہر کے سب سے بڑے اور بارونق بازار میں ان کے ضلعی نامہ نگاروں کے دفتر اور عکس خانے ہیں۔ ان نامہ نگاروں کو بھاری معاوضے ملتے ہیں۔ یہ دونوں اخبارات ملک میں مقبول ہونے کی وجہ سے کثیر الاشاعت ہیں۔

نہ حُسنش غایتے دارد، نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی!





زاہدان

ایرانی تمدن کا نمائندہ

۲۴ر دسمبر ۱۹۶۲ء ش رات سات بجے انتہائی خستہ حالی میں ایران کے پہلے شہر زاہدان سے پہنچ گیا۔ سطح سمندر سے ساڑھے چار ہزار فٹ بلندی پر واقع ایران کا یہ چھوٹا سا شہر، ایرانی نفاست پسندی کا آئینہ دار ہے۔ بے حد صاف وستھرا ہے۔ باغ ملی اور باغ سپہ قابل دید ہیں۔ آبادی ساٹھ ہزار کے لگ بھگ ہے یہاں سکھ بکثرت آباد ہیں جو مدتوں سے یہاں تجارت کر رہے ہیں۔ اسی پیشے کی وجہ سے یہ خاصے متمول اور امیر بھی ہیں۔

یوں تو زندگی میں، میں نے بیشتر سفر کیے ہیں لیکن کوئٹہ کی راہ سے ایران تک کا ٹرین کے ذریعے یہ پہلا سفر یادگار سفر تھا۔ جسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ کوئٹہ سے زاہدان ۵۹۴ میل ہے اس لائین پر جو گاڑی چلتی ہے اس کی رفتار کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ہفتہ کے روز تقریباً دس بجے یہ کوئٹہ سے چلتی ہے اور سوموار شام کو چھ یا سات بجے زاہدان پہنچتی ہے۔ اس سنگلاخ اور بے آب وگیاہ پہاڑی اور چٹیل ریگستانی راستے پر سپیزنڈ، مستونگ روڈ، نوشکی، احمدوال،

دالبندین، نوک کُنڈی، کوہِ تفتان اور میر جاوہ کے اسٹیشن خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

نوک کُنڈی پاکستان کسٹم چوکی ہے اور کوئٹہ سے ۳۱۸ میل دُور ہے۔ یہاں سے ۷۰ میل کے فاصلہ پر پاک ایران سرحد پر کوہِ تفتان واقع ہے جہاں سے تھوڑی دور ایرانی کسٹم چوکی میر جاوا ہے۔ ان کسٹم چوکیوں پر ایران جانے والوں یا ایران سے پاکستان آنے والوں کے مال واسباب اور پاسپورٹوں کی پڑتال ہوتی ہے جس کے باعث خاصا وقت ٹرین کو یہاں رُکنا پڑتا ہے۔ زاہدان سے کوئٹہ کے لیے یہی ٹرین منگل کے روز علی الصبح چار بجے چلتی ہے اور اسی رفتار کو برقرار رکھتے ہوئے دو دنوں میں واپس کوئٹہ پہنچتی ہے۔

اس موقع پر میں یہ بات لکھنے میں خوشی محسوس کرتا ہوں کہ نوکنڈی کسٹم چوکی کے حکام اور ماتحت عملہ ہر پاکستانی اور غیر ملکی مُسافر اور قافلوں سے بڑی خوش اخلاقی، مروّت اور شیریں زبان سے پیش آتا ہے۔ ان لوگوں کا اخلاق ہر مُسافر کے دل میں عقیدت و احترام کے جذبات پیدا کر دیتا ہے۔ اس کے برعکس زاہدان کے پاکستانی مسافر خانے جسے وہاں کے لوگ پاکستانی رضویہ مُسافر خانہ کہتے ہیں کی حالت زار اور منتظمین کی بدمزاجی ہر مُسافر کو بے زار کر دیتی ہے۔ مُسافر خانے کا ماحول بڑا گندا، غیر مُصفّا سا رہتا ہے۔ صفائی اور نفاست کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔ کاش! اس مُسافر خانے کے مہتمم کو اپنے وطن کی عزت و عظمت کا کچھ خیال رہتا اور وہ اسے صاف و مُصفّا رکھ سکتے۔

زاھدان پہنچنے کے بعد دوسرے پاکستانی مُسافروں کی طرح میں نے بھی اسی پاکستانی رضویہ مُسافر خانہ کے لیے ٹیکسی لی۔ سٹیشن سے مُسافر خانہ تک ٹیکسی کا کرایہ بالعموم ایک تومان فی کس لیا جاتا ہے

ایرانی کرنسی

ایرانی سکہ ریال کہلاتا ہے دس ریال کا ایک تومان ہوتا ہے ریال کو عام بول چال میں قران یا زر بھی کہا جاتا ہے۔ نصف ریال کا سکہ "شاھی" کہلاتا ہے۔ ایرانی نوٹ دس ریال، بیس ریال، پچاس ریال، سَو ریال، پانصد ریال اور ہزار ریال کے بازار میں چلتے ہیں۔ غیر سرکاری طور پر پاکستانی روپیہ بالعموم ایک تومان یعنی دس ریال کے عوض لیا جاتا ہے۔ مختلف اوقات میں اس ریٹ میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ سرکاری طور پر یعنی بنک ایکسچینج لینے کی صورت میں پاکستانی ایک سو روپیہ کے ایرانی

ڈیڑھ سو تومان کے لگ بھگ ملتے ہیں۔ اہلِ ایران کی قومی زبان فارسی ہے لیکن بڑے بڑے شہروں میں انگریزی اور اردو و عربی زبان سے آشنا بھی اکثر لوگ مل جاتے ہیں۔

زاھدان خشکی کے راستے حج و زیارات کے لیئے جانے والوں کی راہ پر پہلا بڑا شہر ہے اور صوبجات عجمی بلوچستان و سیستان کا مرکزی شہر ہونے کی حیثیت سے اہم مقام کی حیثیت رکھتا ہے سرحدی شہر کی حیثیت سے بھی بڑی رونق کا حامل ہے۔



ایرانی نوٹ

پاکستانی رضویہ مسافر خانہ میں تین روز تک قیام کیا تاکہ سفر کی کسلمندی زائل ہو اس مسافر خانہ میں رہائش کی کوئی قیمت وصول نہیں کی جاتی صرف بیس ریال (دو تومان) ہر نفر سے بطور امدادی فنڈ وصول کیئے جاتے ہیں خواہ وہ مسافر خانہ میں کتنے روز قیام کرے۔

۱۶ر دسمبر سہ پہر چار بجے ایران کی مشہور بس کمپنی گیتی نورد کی قوی ہیکل مرسیڈیز بنز بس میں بیٹھ کر مشہد مقدس

کی طرف جا رہا تھا۔ ایران میں بسوں کا کرایہ متعین نہیں ہے۔ محرم کے دنوں اور حج کے سیزن میں کرائے بڑھ جاتے ہیں اور جب مسافروں کی کمی ہو تو کرایوں میں بھی کمی آجاتی ہے۔ زاہدان سے مشہد کا کرایہ بیس سے تیس تومان تک ہے۔



مشہد — خراسان کا مرکزی شہر

مشہد مقدس ایران کے صوبہ خراسان کا مرکزی شہر اور دارالحکومت ہے۔ یہ قدیمی شہر زاہدان سے جانب شمال ۸۰۰ کیلومیٹر — (۴۰۰ میل) دُور ہے۔ زاہدان سے مشہد جاتے ہوئے راستہ میں زہتی، بیرجند، حسین آباد، گرمیج، حفری، بیدخت، قائین، گنا باد اور تربتِ حیدریہ آتے ہیں ان میں سے بیرجند، حسین آباد، قائین اور تربتِ حیدریہ خوب صورت اور دیدہ و زیب بستیاں ہیں جو اپنی سرسبزی اور شادابی کے ساتھ ساتھ ایرانی ذوق کی تصویر پیش کرتی ہیں۔

بیرجند:- ایران کا ایک بڑا عالی شان شہر ہے۔ تقریباً دو لاکھ کی آبادی ہے یہاں کے تربوز اور خربوزے انتہائی شیریں اور لذت بخش ہیں۔ یہاں ہماری بس ایک گھنٹہ کے لیئے رُکی، مسافروں نے دوپہر کا کھانا کھایا۔ نمازِ ظہر ادا کی اور پھر عازم سفر ہوئے۔ راستے میں ایک اور چھوٹا سا لیکن خوب صورت شہر حسین آباد پڑا۔

قائین :۔ زاہدان سے بیرجند تک خشک پہاڑی اور صحرائی سفر تھا لیکن بیرجند سے قائین تک راستے میں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں اور سبزہ نظر آیا بعض مقامات پر پانی کے چشمے بھی دکھائی دیئے شام کے قریب ہم قائن پہنچ گئے قائن زعفران کے کھیتوں اور شکر سازی کے کارخانوں کی وجہ سے مشہور ہے۔

بیدخت :۔ قائن سے چلے تو بیدخت رکے۔ یہاں کا انگور، انجیر اور خربوزہ بھی لذیذ ہے اور ارزاں بھی۔

تربت حیدریہ :۔ رات گیارہ بجے کے قریب ہماری بس تربت حیدریہ میں رکی۔ مسلسل سفر نے تھکا دیا تھا اور جسم مضمحل ہو گیا تھا۔ یہی حال دوسرے مسافروں کا تھا۔ لہٰذا فیصلہ ہوا کہ رات یہیں استراحت کی جائے اور صبح آٹھ بجے یہاں سے کوچ کیا جائے۔ صبح سویرے ہی شہر کو ایک نظر دیکھ لینے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ تربت حیدریہ بھی ایک بڑا اور دلفریب شہر ہے۔ یہاں کا باغِ ملی خاص طور پر دیکھنے کے قابل ہے۔ ابھی بس چلنے میں کافی وقت تھا اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جب اس باغ میں داخل ہوا تو رنگا رنگ پھولوں اور اچھلتے فواروں کے حسین مناظر نے سفر کی صعوبت کا احساس مٹا دیا اور میری زبان پر یہ شعر آگیا ؎

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست



ایران کی ایک مصفّا و کشادہ
بس کی سیٹوں کا ایک منظر

یہ سیٹیں انتہائی آرام دہ ہوتی ہیں

روضۂ امام رضاؒ پر

۱۰ر دسمبر، رات کے وقت مشہد میں داخل ہوئے۔ یہاں سردی اپنے عروج پر تھی اور بلند پہاڑوں پر کئی کئی فٹ تک برف پڑی ہوئی تھی۔ شدّتِ سرما سے ہڈیاں کڑکڑانے لگیں اور میں بمشکل معمورۂ مشہد کے قریب ایک مُسافر خانہ میں پہنچا اور وہیں فروکش ہوگیا۔

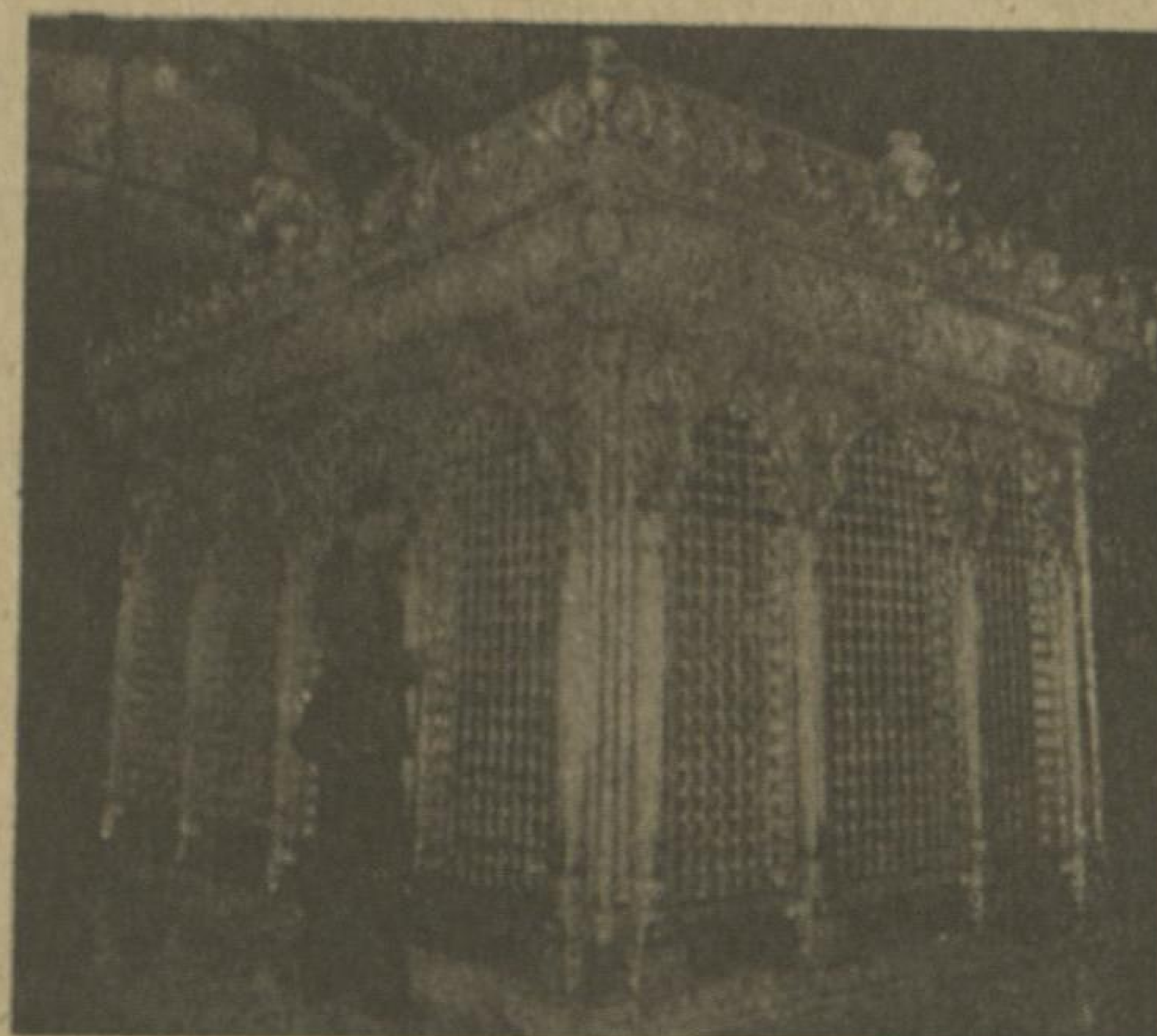
مشہد کو جو شرف حاصل ہے وُہ مرقدِ مطہر حضرت امام رضاؓ کے طفیل ہے۔ آپ رسُولِ مقبُول جنابِ سیّدنا حضرت **محمّد** صلے اللہ علیہ وسلّم کی آٹھویں پشت سے ہیں۔ آپؓ کا نسب نامہ درجِ ذیل ہے:-

علی رضاؓ، بن موسیٰ کاظمؓ، بن جعفر صادقؓ، بن امام محمّد باقرؓ، بن امام زین العابدینؓ، بن امام حسینؓ، بن علیؓ مرتضےٰ کرّم اللہ وجہہٗ، و فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ محمّدِ مصطفٰے احمدِ مجتبٰی (صلے اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین)۔

جیسا کہ مذکور ہُوا آپ کا اسمِ مبارک علیؓ تھا لیکن صاحبِ تسلیم و رضا ہونے کے سبب رضا لقب پایا۔ آپؓ کی کُنیت ابُوالحسنؓ تھی۔ والدِ محترم کا نام مُبارک مُوسیٰ کاظمؓ اور والدہ مکرمہ کا نجمہؓ تھا۔ آپ ۱۴۸؁ ہجری بمطابق ۱۱ر ذیقعد بروزِ جمعرات مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۰۳؁ ہجری ماہ صفر المظفر بروزِ سوموار بمقام طوس واصلِ بحق ہُوئے اور سنایا میں مدفون ہوئے۔ یہی سنایا مشہدِ رضاؓ کے نام سے مشہُور ہے اور مرجعِ خلائق ہے۔ روضہ پر ہر وقت ہزاروں انسانوں کا اژدہام رہتا ہے۔

حضرت امام رضاؓ کا یہ روضہ دنیا کے خوب صُورت اور نظر نواز روضوں میں سے ایک ہے۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ "دنیا کی عمارات میں شاید ہی کوئی عمارت ہوگی جو اس حسین و جمیل عمارت کی مثیل ہونے کی دعویدار ہو سکتی ہے" تو بے جا نہ ہوگا۔ اس کی زیب و زینت بڑھانے اور اسے نظر فریب بنانے میں سابقہ مسلم شہنشاہوں نے بڑی محنت اور دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ تاتاری فاتح تیمور کے بیٹے شاہ رُخ نے روضے کی رعنائی میں سب سے زیادہ اضافہ کیا ہے اور شاہ رخ کی ملکہ، گوہر شاد نے جو خوبصورت مسجد، مزار کے ایک جانب تعمیر کرائی ہے وہ رہتی دُنیا تک ایرانی فنِ تعمیر کے بہترین نمُونہ کی حیثیت سے سلامت رہے گی۔ مزار کی خوب صُورتی بڑھانے میں صفوی بادشاہ طہماسپ اوّل اور شاہ عبّاس بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ روضے کی محرابوں اور گنبد کے اندر شیشے کا کام ہے۔ باہر کے دروازوں اور گنبد پر سونے کا کام ہوا ہے۔

خاص قبر پر چاندی کی جالی ہے اور اس چاندی کی جالی میں زائرین کے پھینکے ہوئے ہزاروں اور لاکھوں روپوں کے نوٹ بکھرے پڑے ہیں۔



فرمانروائے اقلیم ایران اعلیٰحضرت محمد رضا شاہ پہلوی حضرت امام رضاؑ روضۂ مبارک پر

مزار سے ملحق بہت سے حصّے میں وسیع باغ لگائے گئے ہیں مزار کے قرب وجوار اور مسجد کے صحن میں ہزارہا کبوتر اُڑتے پھرتے نظر آتے ہیں جن کے لیئے زائرین دانا وغیرہ لاتے اور ان کے آگے ڈالتے ہیں۔ روضے کے نظم ونسق کو چلانے کے لیئے باوردی ملازمین کی ایک جماعت ہر وقت مستعد رہتی ہے۔

سلام ودُعا اور قرآن خوانی کے بعد مزار سے ملحق لائبریری اور میوزیم دیکھے جہاں آثارِ قدیمہ میں سے میرے لیئے قابلِ دید، حضرت سیّدنا علی کرّم اللہ وجہہٗ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مبارک ہاتھوں کے لکھے ہوئے قرآن مجید کے نسخے تھے۔ اس کے علاوہ کئی اور تاریخی نوادرات، قیمتی مسوّدات اور نادرِ روزگار کتابوں کو دیکھنے کا موقع بھی ملا۔ میرے لیئے تو مرقدِ امام رضا کے بعد اگر کوئی چیز قابلِ دید تھی، تو یہی دینی کتابیں اور نوادرات تھے جنہیں یہاں سے جانے کے بعد مَیں کسی طرح بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ دو روز تک جہاں مزار کے مختلف گوشوں میں آئینہ وکاشی کاری کے حیرت انگیز کام دیکھتا رہا وُہاں زیادہ تر وقت ان تبرکات اور قلمی گنجینوں کی وَرق گردانی میں بھی صَرف کیا۔

مشہد خوب صورت بازاروں کا شہر ہے۔ حرم سے ہر چار جانب خوب صورت وسیع بازار ہیں اور بازار کی بیش تر سڑکیں حرم کے دروازوں پر ختم ہوتی ہیں۔ مشہد کا ہسپتال ایران کے دوسرے ہسپتالوں سے بڑا اور خوب صورت ہے۔ خیابانِ بزرگاں، کوہِ سنگی، میدانِ شاہ اور وکیل آباد وغیرہ خوب صورت اور دیدنی مقامات ہیں۔ انواع واقسام کے باغات ہیں جن میں طرح طرح کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ مشہد کے باغ اور بازار حسین، صاف ستھرے اور پاکیزہ ہیں۔ ہوٹل عالی شان، باشندے مذہبی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

مشہد کی ایک خصوصی صنعت قالین بافی ہے۔ آپ یہاں سے پچاس روپے سے لے کر پچاس ہزار روپے تک کا قالین خرید سکتے ہیں۔ دکانیں مختلف قسم کے قالینوں سے بھری پڑی ہیں۔ لوگ یہاں سے قالین، زعفران، زیرہ، ترنجبین، نائیلون کی جرابیں اور فیروزے خرید کر لے جاتے ہیں اور یہاں کی ضروریات کے مطابق چائے، زری جوتیاں اور دوسرا سامان پہنچا جاتے ہیں۔

سکھ قوم بکثرت آباد ہے اور مزے کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

نادر شاہ افشار: خیابانِ نادر شاہ کے ایک وسیع وخوب صورت چہار راہ (چوک) میں ایک جدید طرز کا مقبرہ ہے جو نادر شاہ افشار کا ہے جس میں داخلہ کے لیے پانچ ریال (آٹھ آنے) کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ مقبرے کے ایک جانب بلند چبوترے پر نادر شاہ کا مجسمہ بنا ہوا ہے۔ مجسمہ میں نادر شاہ کو ایک گھوڑے پر سوار دکھایا گیا ہے جس کے داہنے ہاتھ میں کلہاڑا ہے۔ اس کے پیچھے تین سپاہی ہیں ایک کے ہاتھ میں بندوق اور تلوار، دوسرے کے ہاتھ میں نیزہ اور تیسرے کے ہاتھ میں بگل ہے۔ قبر کی سرہانے کی لوح پر "آرام گاہِ شہریارِ توانائے ایران — نادر شاہ افشار" کندہ ہے۔

اس مقبرہ پر خاصی محنت اور دولت خرچ کی گئی ہے۔ قبر کے دونوں اطراف میں دو عجائب گھر بنائے گئے ہیں۔ جن میں نادر شاہ کے دور کے اسلحہ جات اور مصوری وغیرہ کے نمونے رکھے ہوئے ہیں۔ ایک جانب چھوٹا سا کتب خانہ بھی ہے جس میں نادر شاہ سے متعلق کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔



طوس

ابوالقاسم فردوسی کا مولد و مسکن

صوبہ خراسان اور اس کے کئی شہر ہمیشہ سے علم و عرفان کا مرکز رہے ہیں۔ اسلام کے بیش قرار بابِ کمال اور نامور علماء و حکماء اسی خاک سے اُٹھ کر ظلمت کدۂ جہاں کو اپنی درخشانیوں و تابانیوں سے بقعۂ نور بناتے رہے۔ سرزمینِ خراسان کے ان فرزندانِ توحید کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہیں انگلیوں پر شمار نہیں کیا جا سکتا۔

صاحب السنن، امام العصر فی الحدیث **احمد نسائی**ؒ جن کی کتاب "نسائی" کو صحاح میں پانچواں مقام حاصل ہے اسی خراسان کے ایک قریہ نسار کے باشندے تھے۔

طاؤس الفقراء، شیخ ابوالنصر سراج رحؒ ایسے عارف باللہ

امام غزالی رحؒ ایسے عظیم اسلامی فلاسفر ——— اور

خاتم المحققین نصیر الحق والدین امام **محمد طوسی**ؒ ایسے محقق، بلند مرتبت اور صاحبِ کمال ہستیاں اسی خراسان کے ایک شہر طوس کے فرزند ہیں۔ اس سرزمین کا ایک شہر نیشاپور مشہور مردم خیز شہر ہے۔

مشہد سے جانب شمال تیس کیلومیٹر (۲۰ میل) دُور قدیم شہر طوس واقع ہے۔ تیز رفتار ٹیکسی نے تھوڑی ہی دیر میں مجھے مشہد سے طوس پہنچا دیا۔ مَیں سب سے پہلے ایران کے اس جلیل القدر شاعر ابُوالقاسم فِردَوسی کے مزار پر حاضر ہونا چاہتا تھا۔ کیوں کہ اس شاعرِ خوش مقال اور سخن سرائے نامی ایران نے ایران کو جو سرفرازی بخشی ہے وہ قیامت تک قائم رہے گی۔ شاہنامہ فِردَوسی ایک اَنمٹ نقش ہے۔ ایسے شہنشاہِ سخن کے حضور حاضری کی سعادت سے محرُوم نہیں رہنا چاہیئے۔

دِلم گرد دیدہ خوش بُوئے حبیب است
زہے بُوئے کہ از کوئے حبیب است

ابوالقاسم فردوسی کے مزار پر

* پانچ ریال کا داخلے کا ٹکٹ لے کر جب مَیں مقبرہ کی حدود میں داخل ہوا تو اطراف میں رنگا رنگ پھولوں اور خوب صورت حوض کو دیکھ کر یک گونہ مسرّت ہوئی۔ یہ دِل کش رَوضہ اس عظیم شاعر کے شایانِ شان ہے۔ مقبرہ کا موجودہ نقشہ عجیب وغریب ہے۔ یہ تعمیرِ جدید ۱۳۵۳ سنہ ہجری میں شاہ رضا کبیر کے دَور میں ہوئی تھی۔ قبر کے اُوپر تیس فٹ بلند چار گوشہ مینار ہے جس کے اطراف میں یہ خوب صورت باغ ہے۔ بیچ میں مصفّا پانی کا حوض ہے۔ مقبرے کے بالکل سامنے ایک خوب صورت کیاری میں کنکریوں سے یہ اشعار کندہ ہیں :-

نمیرم ازیں پس کہ من زندہ ام
کہ تخمِ سخن را پراگندہ ام

ہر آنکس کہ دارد ہش راہ دین — کہ پس از مرگ بر من کند آفرین

مینار کے نیچے ایک لمبا تہہ خانہ ہے جس میں اصلی قبر ہے۔ تہہ خانے تک جانے کے لیئے سنگِ سفید کی خوب صورت سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ تہہ خانے کی چھت پر شیشے کا کام ہے۔ دیواروں پر "شاہنامہ فِردَوسی" کے زندہ جاوید کردار "رستم وسہراب" کو مرمریں مجسموں میں دکھایا گیا ہے۔ ایک منظر میں رستم نے سہراب پر برچھے سے حملہ کیا ہے۔ سہراب برچھا کھا کر گرا ہے۔ رستم کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے ہاتھوں اس کا اپنا بیٹا مارا گیا ہے تو وہ سر پر ہاتھ رکھ کر آہ وزاری کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ شہنشاہِ سخن سعدی شیرازی اور عمر خیامؒ کے مجسمات بھی دیواروں پر عجیب منظر پیش کرتے ہیں۔ خاص قبر سنگِ مرمر کی ہے۔ قبر کے تعویذ پر یہ عبارت کندہ ہے۔

بنامِ خداوندِ جان و خرد

ایں مکان فرخندہ آرام گاہِ استادِ گویندگانِ فارسی زبان و سرایندۂ داستانہائے ملی ایران حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی است کہ سخنانِ اُو زندہ کنندہ کشورِ ایران و مزارِ اُو در دلِ مردمِ ایں سرزمینِ جاوداں است۔

تاریخِ تولد سنہ ۳۲۳ ہجری قمری ـــــــــــ تاریخِ وفات سنہ ۴۱۱ ہجری قمری

تاریخ بنای آرام گاہ سنہ ۱۳۵۳ ہجری قمری

مزار کی جدید تعمیر سے متعلق قبر کے دائیں جانب دیوار میں ایک لوح نصب ہے جس پر درج ذیل عبارت کندہ ہے۔

"در ہنگامی کہ ہزار سن سالِ ولادت حکیم ابوالقاسم فردوسی طوسی نزدیک شد، دولت و ملتِ ایران برآں شدند کہ بپاسِ شاہکار جاویداں آں گویندۂ بزرگ۔ آرام گاہ پیکرِ خاکی اُو بر نمایند۔ از آں میان چندیں از خدمت گزاراں ایراں برایں کار فرخندہ گشتند و بنا احفظ۔"

فردوسی کا سنِ ولادت سنہ ۳۲۳ ہجری ہے۔ بعض تذکرہ نویسوں نے سنہ ۳۳۰ ہجری بھی لکھا ہے۔ لیکن معتبر روایت سنہ ۳۲۳ ہجری ہے۔ ایران کی تاریخ کو زندہ کرنے میں ابوالقاسم فردوسی ملتِ ایران کا بزرگ ترین شاعر تصور کیا گیا ہے۔

شاہنامہ فردوسی جو ابد تک فردوسی کا نام زندہ رکھنے والی ایک بہترین کتاب ہے سنہ ۳۶۵ ہجری میں لکھنی شروع کی اور سنہ ۴۰۰ ہجری میں اسے مکمل کیا گیا۔ فردوسی کی ابتدائی زندگی بڑے اچھے حالات میں بسر ہوئی۔ اسے کسی قسم کی معاشی پریشانی نہ تھی۔ ایک بڑے زمیندار گھرانے کا چشم و چراغ تھا۔ بڑی وسیع زمین اور باغات کا مالک تھا لیکن آخری دور میں تنگ دستی اور معاشی بدحالی کا شکار ہوا۔ اسی معاشی زبوں حالی سے مجبور ہو کر فردوسی نے محمود غزنوی کے دربار میں اپنے لیئے جگہ پیدا کرنے کی سعی کی لیکن بدخواہوں نے بادشاہ کو فردوسی سے بدظن کر دیا۔ نتیجے کے طور پر فردوسی غزنہ سے ہرات میں شہریار بن شروین کے پاس چلا آیا۔ وہاں سلطان محمود کی ہجو میں ایک سو شعر لکھے لیکن طبرستان کے اس شہنشاہ نے ان اشعار کی اشاعت پسند نہ کی اور اس غلط کام میں مانع ہوا۔ دراصل فردوسی کے آخری ایام میں جو دکھ درد پیدا ہوئے ـــ وہ زیادہ تر اس کے جوان سال بیٹے کی موت کے باعث تھے۔ بیٹے کی موت کا عظیم صدمہ معاشی بدحالی سے بھی

اُمساک تھا۔ مرثیے میں انتہائی دل سوزی کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

گر بہرہ نگیرم من از پند خویش | بر اندیشم از مرگ فرزند خویش
جواں را چو شد سال برسی و ہفت | نہ بر آرزو یافت گیتی و رفت

فردوسی نے اپنے شاہنامے کی بدولت ایران اور اہل ایران کو حیاتِ جاوداں بخشی۔ ساٹھ ہزار اشعار کی یہ کتاب بظاہر ایک رزمیہ داستان ہے جس میں پہلوانوں کی بہادری اور جنگ کا تذکرہ ہے لیکن حقیقت میں فلسفہ و اخلاق کے بہترین اسباق ان داستانوں میں ملتے ہیں۔ شاہنامہ کے آغاز میں خدائے بزرگ و برتر کی تعریف کس لطیف پیرایہ میں کی ہے۔ الفاظ کی بندش اور معنی کے عُمق کو ملاحظہ فرمائیں۔

بنامِ خداوند جان و خرد | کزیں برتر اندیشہ بر نگذرد
خداوند نام و خداوند جائی
خداوند روزی دہ رہنمائی

خداوند نام کیواں و گرداں سپہر | فروزندہ ماہ و ناہید و مہر
ز نام و نشاں و گماں برتر است | نگارندۂ بر شدہ گوہر است
نیابد بدو نیز اندیشہ راہ | کہ اُو برتر از نام واز جایگاہ
سخن ہر چہ زیں گوہراں بگزرد | نیابد بدو راہ جان و خرد
ستودن نہ داند کس اُو را چو ہست | میان بندگی را ببایدت بست

۴۱۱ھ ہجری میں اس عظیم شاعر نے ۸۰ سال کی عمر میں طوس میں وفات پائی۔ ایران کے اس قومی شاعر کے مزار پر فاتحہ سے فراغت کے بعد باہر آگیا اور قدیم قریہ طوس کی گردش کرتا رہا۔ چند کھنڈرات اور ایک شکستہ پل کے ساتھ یہ اُجڑی ہوئی بستی آج سے مدت ہائے مدید پہلے ایران کا ایک مردم خیز خطہ تھا۔ ان مقدس ایام کی یاد تازہ کرتے ہوئے دل کو یک گونہ راحت اور روح کو مسرت و شادمانی نصیب ہوتی ہے۔

اگرچہ پاکستانی دانشوروں اور مورخین کے تذکرے ان ایرانی بزرگانِ دین کے اذکار سے پُر ہیں پھر بھی میری خواہش ہے کہ ان بزرگ ہستیوں کے مختصر ذکر کا فخر حاصل کروں۔

۱۔ **شیخ ابوالنصر سراج** :۔ آپ کا نام عبداللہ بن علی بن یحییٰ ابوالنصر سراج تھا۔

طاؤس الفقرار کے لقب سے ملقب ہوئے۔ علوم ظاہری و باطنی میں کمال حاصل کیا۔ اسی قریہ طوس کے باشندے تھے اور مدفن بھی یہیں ہے۔ آپ کے بارے میں شیخ فریدالدین عطارؒ نیشاپوری فرماتے ہیں:

ابو النصر امام برحق اور یگانۂ روزگار تھا۔ "وہ بزرگوں کے حلقہ کا امین اور درویشوں کی انگشتری کا نگینہ تھا۔ وہ عالمِ باعمل اور عارفِ کامل تھا"۔

آپ نے حصولِ علم و عرفان کے لیئے دنیائے اسلام کی سیاحت کی اور عراق، شام، اردن، مصر اور دوسرے اسلامی ملکوں کے سفر اختیار کیئے۔ ایک بار جب کہ آپ رمضان المبارک میں بغداد کی ایک مسجد میں معتکف تھے۔ مریدین و ہم مسلک درویشوں کے اصرار پر نماز پڑھانا قبول کیا۔ نمازِ تراویح میں پانچ بار قرآن ختم کیا۔ افطار کے وقت روزانہ ایک مرید کھانا حجرہ میں پہنچا جایا کرتا تھا۔ آپ رمضان کے خاتمہ پر عید کی نماز پڑھا کر بغداد سے چل پڑے۔ جب مرید حجرہ میں داخل ہوا تو وہ تمام غذا جو وہ روز دے کر جایا کرتا تھا من و عن موجود تھی۔

ایک بار معرفتِ الہیٰ پر بحث ہو رہی تھی معاً آپ جلال میں آگئے اور آگ میں سجدہ ریز ہو گئے۔ مرید خوف زدہ ہو گئے لیکن جب آپ اٹھے تو چہرہ صاف تھا فرمایا:

"درگاہِ الہٰی پر جان دے دینے والوں کو آگ نہیں جلا سکتی"۔

آپؒ نے ۳۷۸ ہجر میں نماز پڑھتے ہوئے اپنی جان، جانِ آفرین کے حوالے کی اور یہیں طوس میں دفن ہوئے۔ آپؒ نے تصوف پر بیش تر کتب تالیف کی ہیں لیکن بجز "کتاب اللمع فی التصوف" تمام ناپید ہیں۔ فرماتے ہیں:

"جس طرح دنیا کی ہر شئے دو پہلو رکھتی ہے ایک ظاہری اور ایک باطنی اسی طرح قرآن و سُنت کے دو پہلو ہیں ظاہری پہلو شریعت ہے اور باطنی پہلو طریقت ــــ طریقت شریعت سے الگ چیز کا نام نہیں بلکہ شریعت کا ہی منفرد باطن ہے"۔ (کتاب اللمع فی التصوف)

۲۔ **امام غزالیؒ**:- آپ زمانہ الپ ارسلان سلجوقی میں اسی شہر طوس میں پیدا ہوئے آپؒ کی پیدائش ۴۵۰ ہجر میں ہوئی اور ۵۰۵ ہجر پچپن سال کی عمر میں عراق کے پایہ تخت بغداد میں وفات پائی۔ آپ کا مزار شارع شیخ عمر پر روضۂ غوث الاعظم حضرت عبدالقادر جیلانی رح کے قریب ایک وسیع قبرستان میں ہے۔

(مفصّل تذکرہ جلد دوئم میں ہوگا)

۳۔ **خاتم المحققین، نصیر الحق والدین امام محمد طوسیؒ**:- اسلام کے اِس جلیل القدر محقق کی تعریف و

توصیف میں جتنی طوالت اختیار کی جائے کم ہے۔ مختصراً جہانِ عقل و خرد کا عنوان، حکمت، نجوم اور ریاضی کی گہرائیوں کا آشنا، اور حکمت کے اتھاہ سمندر کا یہ عظیم شناور ۵۹۲ھ سنہ ہجری طوس میں پیدا ہوا اور علم و عرفان کی بلندی کے نتیجہ میں ہلاکو خان کا مقربِ خاص بن گیا ــــ آپؒ کی تعریف و توصیف میں تذکرہ نویسوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ آپؒ کی تالیفات میں سے "اخلاقِ ناصری" سے پاکستان کا اہلِ علم طبقہ بخوبی متعارف ہے۔ آپؒ کی دیگر کتابیں جو مختلف علوم و فنون پر مستند ترین کتابیں شمار ہوتی ہیں آج بھی اسی عزت و احترام سے پڑھی جاتی ہیں جس عزت و منزلت میں اپنے ابتدائی ایام میں پڑھی جاتی تھیں۔

چند مشہور کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:۔

• تذکرۂ نصیریہ • رسالہ معینیہ • تذکرہ در ہیئت • کشف القناع من اسرار القطاع (علمِ ہندسہ کی کتاب)

آپؒ نے ۶۷۲ سنہ ہجری میں بغداد میں رحلت کی (غفر اللہ لہٗ)

دن بھر گھومنے پھرنے اور موسم میں سردی کی زیادتی کے باعث طبیعت بوجھل ہوگئی بخار کی کیفیت کا غلبہ محسوس ہوا اور بے چینی شدت اختیار کرگئی اس لیے واپس مشہد لوٹ آیا۔

اُردُو مجلس چکوال کی ۲ عہد آفریں کتابیں

کلامِ شاہ مراد

سترھویں صدی کے عظیم صُوفی شاعر شاہ مُراد کو جس کا نام مقام اور کلام دنیائے علم و دانش سے رُوپوش ہو چکا تھا پہلی مرتبہ اَربابِ فکرونظر سے رُوشناس کرایا گیا ہے۔ ملک بھر کے علمی و اَدبی حلقوں میں اِس کتاب کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا ہے۔ ملک کے مشاہیرِ اَدب نے اِس کتاب کو اُردو مجلس کی بیش بہا تحقیقی کاوش کے علاوہ تاریخِ اَدب کی گم شدہ کڑی فراہم ہونے سے تعبیر کیا ہے۔

منظور شدہ لائبریری کتاب، کتابت و طباعت کا حسین مرقع، پنج رنگا دیدہ زیب گردپوش۔

قیمت پانچ رُوپے پچاس پیسے

سیلیکشنز فرام شاہ مُراد

Selections from Shah Murad

مجلس کی تحقیقی و تنقیدی کاوشوں کا ثمر — جس میں وَلی دکنی کے اِس پیش رَو کی منتخب اُردُو فارسی اور پنجابی نگارشات کو انگریزی زبان میں منتقل کیا گیا ہے۔ اِس کتاب میں مغلیہ عہد کے اِس ممتاز صُوفی شاعر کی سیرت و شخصیت کے متعلق بعض نئی فراہم شدہ معلومات کا اضافہ کیا گیا ہے جو اَربابِ تحقیق کیلئے یقیناً سود مند ثابت ہوں گی

ترجمہ ریاض چشتی، جمیل ہاشمی   دیباچہ ڈاکٹر عبدالغنی (پنجاب یونیورسٹی)

• خوبصورت گٹ اپ • سفید کاغذ • معیاری ٹائپ • رنگین ڈسٹ کور

تصاویر سے مزین

قیمت پانچ رُوپے پچھتر پیسے

ناشرین

ادارۃ الاشاعت اُردو مجلس چکوال (پاکستان مغربی)

کلامِ عطارؒ

ندارد، دردِ ما درماں، دریغا
بماندم بے سروساماں دریغا

دریں حیرت فلکہا نیز دیریست
کہ مے گردند سرگرداں دریغا

رہے بس دور مے بینم دریں راہ
نہ سر پیدا و نہ پایاں دریغا

چو نہ جاناں بخواہد ماند نہ جاں،
زِجاں درداد از جاناں دریغا

عزیزانِ جہاں رابیں کہ از یک راہ
شدہ با خاک رہ یکساں دریغا

بیا تا در وفائے دوستداراں،
فروباریم صد طوفاں دریغا

ہمہ یاراں بزیرِ خاک رفتند
تو خواہی رفت چوں ایشاں دریغا،

پس از وصلے کہ ہمچوں باد بگزشت،
درآمد ایں غمِ ہجراں دریغا،

برائے نان چہ ریزی آبرویت
کہ آتش بہترت زآں نان دریغا

تو را تا جاں بود نان کم نیاید
چہ باید کند چندیں جاں دریغا

خداوندا! ہمہ عمرِ عزیزم
زجہل آوردہ ام بزیاں دریغا

چو دورانِ جوانی رفت برباد
بسے گفتم دریں دوراں دریغا

نشد معلوم من جزدِ آخرِ عمر
کہ کردم عمرِ خود تاواں دریغا

مرا گر عمر بایستی خریدن
تلف کرکردمے زیں ساں دریغا

فریدالدین عطار نیشاپوری

نیشاپور — ایران کا ایک سرسبز و شاداب شہر

مشہد سے جانبِ شمال مغرب ڈیڑھ صد کیلومیٹر کے لگ بھگ فاصلے پر واقع نیشاپور شہر ہے جو کسی زمانہ میں مردم خیز خطّہ کی حیثیت سے مشہور تھا۔ علم و عرفاں کے اس مرکز میں بڑے بڑے اہلِ دانش، حکماء و فضلاء نے جنم لیا اور یہیں بڑے بڑے صوفیاء اور حکماء کی آرام گاہیں ہیں۔ عمرِ خیامؒ، امام ابوالقاسم القشیریؒ، فریدالدین عطارؒ اور امام المحدیث حضرت مسلم بن الحجاج ایسے بلند مرتبت اسلام کے عظیم فرزند اسی پاک خطہ کے باسی تھے اور یہیں ان کے مدفن ہیں۔

۲۱ر دسمبر بعد عصر نیشاپور پہنچا۔ اس لیے پروگرام واضح کیا کہ رات آرام کیا جائے اور علی الصبح زیارات کی جائیں۔ نیشاپور ایک چھوٹا، خوب صورت اور سرسبز و شاداب شہر ہے۔ سڑک کے کنارے پر جامع مسجد اپنی وسعت و حسن کے لحاظ سے قابلِ دید ہے۔

حکیم ابوالفتح عمر خیام کے مزار پر:- آج ۲۲ر دسمبر علی الصبح سب سے پہلے شہر سے چھ کیلومیٹر دور مشرق کی جانب حکیم ابوالفتح خیامؒ نیشاپوری کی آخری آرام گاہ پر حاضر ہوا۔ پانچویں صدی ہجری میں سلطان جلال الدین سلجوقی کے عہد حکومت کا یہ عظیم ریاضی داں، منجم، طبیب، دانش ور اور شاعر دنیائے علم و دانش میں ایک بلند مقام رکھتا ہے۔ بعض مورخین نے عمرِ خیام مرحوم کو علمی لحاظ سے شیخ الرئیس بوعلی ابن سینا البخاریؒ کے ہم پلّہ قرار دیا ہے۔ اگرچہ شیخ الرئیس علمی لحاظ سے خیامؒ سے بالاتر ہستی ہیں تاہم خیامؒ بھی ایک اپنا مخصوص مقام رکھتا ہے اور اس سے کوئی بھی منکر نہیں ہو سکتا۔

خیام نیشاپوری کو جو شہرتِ دوام حاصل ہے وہ "رباعیات" کے طفیل ہے اگرچہ خیامؒ نے شاعری کو بطور پیشہ اختیار نہیں کیا تھا۔ اس نے تو ساری زندگی علمِ ریاضیات، نجوم اور حکمت کے حصول میں صرف کردی اور صرف تفریح کے موڈ میں کبھی کبھی گنگنا لیا کرتا تھا۔ لیکن آج جس طرح ایران کا ذکر بغیر خیام کے نامکمل ہے اسی طرح خیامؒ کا تذکرہ بغیر رباعیاتِ خیامؒ ناقص و اُدھورا ہے۔ اپنی ان رباعیات میں خیامؒ نے موت و زیست، خوشی و غم، گل و بلبل کا ذکر انتہائی دل نشین، سادہ اور مختصر لفظوں میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں:-

ازدی کہ گذشت ہیچ ازو یاد مکن

فردا کہ نیامدہ دگذشتہ بنیاد مکن

برنامدہ دگذشتہ بنیاد مکن

حالی خوش باش و عمر برباد مکن

سلطان جلال الدین اور اس کا وزیر نظام الملک عمر خیامؒ کی بڑی قدر و منزلت کرتے اور اس کے علمی مقام سے باخبر تھے۔ خیامؒ نے چھٹی صدی کے اوائل یعنی ۵۱۷ھ سنہ ہجر میں وفات پائی خیام کی جبرو مقابلہ پر ایک تصنیف کا حال ہی میں فرانسیسی زبان میں ترجمہ پیرس سے شائع ہوا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کہ ابھی دنیا میں خیامؒ کے چاہنے والوں کی کمی نہیں ہے۔

مقبرہ آٹھ سہ گوشہ ستونوں پر ایک بلند گنبد نما شکل کا ہے۔ ہر ستون پر گل کاری کی گئی ہے۔ یہ سنگِ خارا کا بنا ہوا جدید منقش و حسین ایرانی فنِ تعمیر کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ بیچ میں قبر ہے اور لوح پر درج ذیل عبارت کندہ ہے:-

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ

آرام گاہ

حکیم ابو الفتح عمر بن ابراہیم خیام نیشاپوری

کہ پس از ہفتاد و چند سال زندگانی در سال ۵۱۷ ہجر

ہجری قمری برحمتِ ایزدی پیوست۔

یہ تعمیرِ جدید موجودہ شہنشاہِ ایران محمد رضا شاہ پہلوی کے فرمان سے انجمن آثارِ ملی نے ۱۳۸۱ ہجری میں مکمل کی۔ مقبرہ سے ملحق باغ ہے اور باغ میں وسیع و خوب صورت حوض۔

خیام کہ خیمہائے حکمت میدوخت

در کورۂ اجل فتاد و ناگاہ بسوخت

مقراضِ اجل طناب عمرش چو برید،

دلالِ قضا برایگانش بفروخت

سری (الف)



انجمن آثار ملی

شماره ۱۱۱۹۵

تاریخ........................

(«بلیط ورودی»)

آرامگاه حکیم عمر خیام

پنج ریال	۵ ریال

این بلیط برای یکنفر و یک مرتبه اعتبار دارد

مدیر آرامگاه

حکیم ابوالفتح عمر خیامؒ کے مزار میں داخلے کے ٹکٹ کا عکس

قریب ہی ایک دو گنبد والی خوش نما عمارت میں ایک طرف حضرت محمد محروقؓ ابن زیدؓ ابن زین العابدینؓ کی قبرِ مطہر ہے اور دوسری طرف حضرت علی رضاؓ کے چھوٹے بھائی حضرت ابراہیمؓ بن موسیٰ کاظمؒ محوِ استراحت ہیں۔

فاتحہ خوانی اور دُعا و سلام کے بعد مَیں نے خواجہ فریدالدین عطار نیشاپوری کے مزارِ پُرانوار پہ حاضری کا عزم کیا۔ یہ روضہ، مقبرۂ خیامؒ سے تقریباً ایک کیلومیٹر دُور مغربی جانب ہے۔

شیخ الکل خواجہ فریدالدین عطارؒ کے مزار پُرانوار پہ جب مَیں شیخ فریدالدین عطارؒ کے مقبرے پر حاضر ہُوا تو بحرِ سلوک کے اس عظیم شناور کے حضور اپنے آپ کو ذرّہ کاہ سے بھی حقیر پایا۔ جادہ سلوک و طریقت کے اس عظیم المرتبت راہنما کے سامنے مجھ پر عجیب رِقت کا عالم طاری تھا۔ منطق الطیر،

اسرار نامہ، پندنامہ کے اشعار زبان پر جاری ہو گئے۔ اور دعا میں بھی شیخؒ کے اشعار بار بار ذہن میں گردش کرنے لگے۔

خلق ترسد از تو من ترسم زِ خود
کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد
اے ز فضلت نا شدہ نامید کس
حلقۂ نامِ توام حب دید و بس

حقیقتاً کلامِ عطارؒ بھی تو زندگی بخش ہے۔ ملاحظہ ہو خدائے بزرگ و برتر کا ذکر کس کنایہ سے ہو رہا ہے:۔

نامِ اُو سیمرغ سلطانِ طیور | اُو بما نزدیک و ما ازو دُور دُور
صد ہزاراں پردہ دارد بیشتر، | ہم زِ نور و ہم زِ ظلمت بیشتر،
ہیچ دانائے کمالِ اُو ندید، | ہیچ بینائے جمالِ اُو ندید،

رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جلیل و جمیل اس طرح کرتے ہیں :۔

خواجۂ دُنیا و دیں، گنجِ وفا | صدر و بدرِ ہر دو عالم مصطفیٰؐ
آفتابِ شرع و دریائے یقین | نورِ عالم رحمۃ اللعالمین،

آج میری مسرتوں کی انتہا تھی کہ راہِ سلوک کے اس عظیم پیشوا کے ہاں حاضری کی سعادت حاصل کی تھی۔ جس کا تذکرہ مولانا رومؒ بھی کمال عجز و انکسار سے کرتے ہیں۔

عطار رُوح بود و سنائی دو چشمِ اُو | ما ور پس سنائی و عطار آمدیم
ہفت شہرِ عشق را عطارؒ گشت | ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم

شیخ الکلؒ کا اصل اور پورا نام محمد بن ابی بکر ابراہیم تھا۔ لقب فرید الدین اور کنیت ابو حامد تھی لیکن فرید الدین عطارؒ کے نام سے شہرت دوام پائی۔ سنہ ۵۱۳ ہجری میں ولادت ہوئی اور سنہ ۶۲۷ ہجری میں ایک تاتاری کے ہاتھوں جامِ شہادت نوش فرمایا۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر سو سال سے زیادہ بنتی ہے۔ بعض روایات میں پیدائش سنہ ۵۴۰ ہجری اور شہادت سنہ ۶۱۸ ہجری بھی آیا ہے۔ بہرصورت آپ کی پیدائش دورہ سلجوقی کے آخر میں اور چھٹی صدی ہجری کے وسط میں ہوئی۔ قطعی تاریخِ پیدائش میں اختلاف ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ معرفت و طریقت میں فریدالدین عطار کا درجہ پیشوا کا ہے اور آپ اہلِ دل کے کعبہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپ نے اس بلند مقام کے حصول میں زندگی کا بیش تر حصہ صرف کیا ہے۔ ابتدائی عمر ہی سے خدمتِ مشائخ اور تحصیل علمِ دینی میں منہمک رہے۔ مصر، شام، سعودی عرب، ہندوستان، ترکستان اور عراق وغیرہ ممالکِ اسلامیہ کی خوب سیاحت کی اور ان ممالک کے بزرگانِ دینی سے استفادہ کیا۔

آپ نے کئی کتب تصنیف کی ہیں جن کی تعداد قرآن کی سورتوں کے برابر بتائی جاتی ہے۔ ان میں سے دس ہزار اشعار کے قریب عارفانہ غزلیات و قصائد کا ایک دیوان مشہور ہے، دوسری کتاب "مثنوی منطق الطیر" ہے اور تیسری "تذکرۃ الاولیاء"۔ "مثنوی منطق الطیر" میں آپ نے اسرار و رموز کے وہ موتی پروئے ہیں اور حکایت کے انداز میں وہ لطیف و نازک نکتے بیان کیے ہیں کہ روح پر ایک گونہ بے خودی طاری ہو جاتی ہے خلاصہ چند لفظوں میں عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

"ایک روز جنگل کے پرندوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ کوئی مملکت بغیر بادشاہ کے نہیں ہے اس لیے ہمیں بھی اپنی اس مملکت کے لیے بادشاہ تلاش کرنا چاہیے۔ ہُدہُد نے پرندوں کو بتایا کہ ہمارا شہنشاہ سیمرغ ہے اور میں تمہیں اس کے دربار تک پہنچا سکتا ہوں لیکن اپنے بادشاہ تک پہنچنے کے لیے بڑی منزلیں طے کرنی پڑتی ہیں اور گوناگوں مصائب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

سیمرغ کی تلاش میں نکلے ہوئے پرندوں میں سے اکثر راہ کی دشواریوں اور مصائب کو دیکھ کر مختلف قسم کے حیلوں بہانوں سے الگ ہو گئے اور سات پُرخطر و دشوار وادیوں کو طے کر کے جو پرندے سیمرغ کی درگاہ میں پہنچے انہوں نے جب ایک آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر سیمرغ کو دیکھنا چاہا تو بجز اپنے وجود کے انہیں کچھ نہ دکھائی دیا۔ وہ دشوار گزار اور پُرخطر وادیاں جو انہوں نے طے کی تھیں ان کے نام درجِ ذیل ہیں:۔ وادیٔ طلب، وادیٔ عشق، وادیٔ معرفت، وادیٔ استغنا، وادیٔ توحید، وادیٔ حیرت، وادیٔ فنا۔" ——— مقصد یہ کہ حقیقتاً سیمرغ وہ ہے جو ان وادیوں کو عبور کر سکے یہی وصالِ یار ہے ۔ شمس تبریزؒ نے اسی مقام کی طرف اپنے ان اشعار میں اشارہ کیا ہے

عجب من شمس تبریزم کہ عاشق گشتہ ام بر خود

چو خود را خود نظر کردم نہ دیدم جز خدا در خود

خود عاشق و معشوق خود قاتل و مقتولی

خود تیغ زدی بر تن خود شور و فغاں کردی

آپؒ ایک بڑے عطّار خانے کے مالک اور صاحبِ ثروت تھے ایک روز اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ ایک درویش نے اللہ کے نام پر سوال کیا لیکن آپؒ بدستور اپنے کام میں لگے رہے۔ درویش نے کئی بار اپنا سوال دُہرایا اور جب اس نے دیکھا کہ مخاطب سنتا ہی نہیں تو کہنے لگا "ایسے روزگار میں لگے ہو کر خدا کو بھول بیٹھے ہو۔ اسے جان کیسے دو گے؟" شیخ نے خشمگیں ہو کر جواب دیا" جیسے تم! درویش نے کہا "تم میری طرح جان نہیں دے سکتے"۔ یہ کہا اور کاسۂ گدائی سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گیا۔ زبان سے کلمۂ طیّبہ کی آواز آئی اور رُوح قفسِ عنصری سے عالمِ بالا کو پرواز کر گئی۔ اِس منظر نے آپؒ کو ایسا متاثر کیا کہ تمام زر و مال راہِ حق میں لُٹا کر تلاشِ حق میں نکل کھڑے ہوئے اور "تاج الاولیاء" اور "سرتاج عاشقانِ الٰہی" کہلائے۔ آپؒ کا روضہ کیسا ہے؟ قدیم مشرقی طرز پر بنا ہوا ایک سادہ سا قبّہ ہے اس کے اندر خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی ہیں جہاں بارغ کی بھی ضرورت نہیں سمجھی گئی بس ایک قالین بچھا ہے جس پر بیٹھ کر لوگ سلام و دُعا کے نذرانے پیش کرتے اور اپنی اَرواح کو تسکین کی دَولت سے مالا مال کر کے لیجاتے ہیں۔

سرہانے کی لَوح پر دَرجِ ذیل عبارت کندہ ہے:۔

آرام گاہِ عارفِ ربّانی

سخن سرائے نامی

فریدالدین عطّار

ہر کہ اُو رفت از میان اینک فنا   چو فنا گشت از فنا اینک بقا

سالِ ولادت: پانصد و چہل قمری (۵۴۰ھ سنہ ہجری قمری)

تاریخِ شہادت: شنبہ ۵ صفر سال شش صد و ہیجدہ (۶۱۸ھ سنہ ہجری)

مقبرہ کمال الملک:- شیخ عطّار کے مقبرہ کے باہر دائیں جانب ایک چھوٹا سا جدید طرز تعمیر کا حامل اور انتہائی خوب صورت مقبرہ بنا ہوا ہے۔ یہ مقبرہ ایران کے مشہور و معروف نقّاش کمال الملک محمد غفاری کا ہے۔ سرہانے کی لَوح پر کمال الملک کا مجسّمہ کندہ ہے اور نیچے درجِ ذیل عبارت میں اس عظیم

فن کار کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا گیا ہے ـــــــــــــ

بفرمانِ شاہنشاہِ ایران

محمد رضا شاہ پہلوی

ساختمان آرام گاہ اُستاد ہنرمند، عالی قدر شادرواں محمد غفاری کمال الملک

فرزند شادرواں میرزا بزرگ غفاری از طرف انجمن،

آثارِ ملی در سال ۱۳۲۵ شمسی بنیاد گردید

میں ایک بار پھر کمال الملک کے مقبرہ سے واپس شیخ عطارؒ کے دربار میں حاضر ہو گیا۔ میں زیادہ سے زیادہ وقت یہاں صرف کرنا چاہتا تھا۔ ـــــ کچھ دیر بعد فاتحہ کے بعد رخصتی کا سلام عرض کیا اور شیخؒ کے شعر پڑھتے ہوئے اجازت چاہی۔

بندہ آں نہ بود کہ از روئے گزاف	مے زند در بندگی پیوستہ لاف
بندہ وقت امتحاں آید پدید	امتحان کن تا نشاں آید پدید

حضرت مُسلمؒ کے مزار پر: وہ علمائے حق و بزرگانِ دین جنہوں نے اسلام کو دنیا کے تاریک اور دور دراز گوشوں میں پہنچانے کا مقدس فریضہ سرانجام دیا۔ ذرائع آمدورفت کے فقدان کے باوجود، دشوار گزار اور پُرخطر تپتے صحراؤں میں عازمِ سفر رہے اور دنیا کے سخت ترین سنگلاخ علاقوں میں دینِ حقّہ کے شجرِ طیبہ کی آبیاری کی، ان میں حضرت امام مسلمؒ کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔

ایک حساس اور دینِ اسلام سے محبت رکھنے والے مسلمان کی حیثیت سے جب میں نیشاپور کے ایک قدیم محلہ مصرآباد میں امام الحدیث ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیریؒ کے مزار پر حاضر ہوا تو ذہن عجیب و غریب خیالات و احساسات کی آماجگاہ بن گیا۔ دعا و فاتحہ کے بعد جتنی دیر میں اس مردِ حق شناس و محبِ رسولؐ کی آرام گاہ پر رہا تیسری صدی ہجری اور آج کے پُرآشوب دور کا موازنہ کرتا رہا۔

علم و معرفت کتنی بلند چیز کا نام ہے اس کا احساس بزرگوں کے حالاتِ زندگی کے مطالعہ کے بعد ہوتا ہے امام مسلمؒ کا مولد و مسکن بھی علم و عرفان کا مرکز تھا اور یہاں کے دینی پیشوا اسحاق بن راہویہؒ اور امام ذہلیؒ امام مسلمؒ کے استاد تھے لیکن یہ اساتذہ وقت آپ کی علمی تشنگی کو فرو نہ کر سکے اور امام مسلمؒ کو دنیائے اسلام کے ہر گلی کوچہ کی خاک

چھاننی پڑی۔ آپ نے عراق میں امام احمد بن حنبلؒ اور عبداللہ بن مسلمہؒ سے، حجاز میں سعید بن منصورؒ اور ابو مصعبؒ سے، مصر میں عمر بن سوادؒ اور حرملہ بن یحییٰ سے استفادہ کیا۔ بصرہ و بلخ کے سفر میں احمد بن سلمہؒ کے کشتِ علوم سے خوشہ چینی کی اور جب امام بخاریؒ صاحبِ صحیح بخاری نیشاپور آئے تو امام مسلمؒ آپکے علم و فضل سے اتنا متاثر ہوئے کہ بے اختیارانہ پکار اٹھے:-

"اے امانت دارِ حدیثِ رسولؐ! مجھے قدم بوسی کی اجازت دیجئے۔"

امام مسلمؒ اسی گروہ کے ایک رکن تھے جو اپنے ہادیٔ اکبر کے دہنِ مبارک سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو سننے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کی غرض سے دنیا کی صعوبتیں برداشت کرنے میں ہی اپنی اور ملت کی فلاح سمجھتے تھے...... وہ اَبلِغُوا عَنِّی وَلَو آیَۃ کے فرمان کو پورا کرنے میں اپنی عمر ہائے گرانمایہ صرف کر دیتے تھے۔

امام مسلمؒ ایسے علماءِ برحق نے حدیث کے گرانمایہ ذخیرہ کو جمع کر لیا اور کھوٹے کھرے کی تمیز کے لئے "رجال" ایسے عظیم فنِ علم کی تخلیق کی۔ امام مسلمؒ کے بارے میں علمائے تاریخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ:-

آپؒ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ساری زندگی کسی کی غیبت نہیں کی۔ کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور نہ ہی آپؒ کے منہ سے تاحیات کوئی کلمۂ بد یا گالی سنی گئی۔ کسی کی ناجائز طرفداری اور بے جا رعایت کا دھبہ بھی آپ کی ذات پر نہیں ہے۔

آپؒ ۲۰۶ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۲۶۱ھ ہجری میں نیشاپور میں ہی وفات پائی۔ آپؒ کی کتاب صحیح مسلم کو صحاح ستہ میں دوسرا مقام حاصل ہے بلکہ حسن ترتیب و تالیف میں بعض اہل علم صحیح بخاری پر بھی صحیح مسلم کو ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کی چند دیگر مشہور کتابیں یہ ہیں:-

مسند کبیر، کتاب العلل، کتاب التمیز، کتاب القرآن، کتاب اولادِ صحابہ، کتاب سوالات احمد بن حنبلؒ، اوہام المحدثین وغیرہ۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

نیشاپور کے ذکر میں اگر زین الاسلام امام الفقراء حضرت ابو القاسم قشیریؒ ایسے خدا شناس کا ذکر نہ کروں تو سارا مضمون بے مقصد رہے گا۔ آپؒ کا مدفن بھی نیشاپور ہے۔ اور یہیں آپؒ ۳۷۶ھ ہجری

میں پیدا ہوئے تھے۔ علومِ ظاہری و باطنی میں ایک بلند مقام کے مالک تھے۔ آپؒ کے استادوں میں ابوبکر طوسیؒ، ابوالحسن شیروقیؒ اور ابونعیم سفرائینیؒ ایسے وقت کے جید علماء کا نام آتا ہے۔ علومِ باطنی میں ابوعلی دقاقؒ کے مرید اور آپؒ کے داماد تھے۔ طریقت میں بڑے بڑے امام آپؒ کے مرتبہ کے معترف ہیں۔ آپؒ نے دین کے مختلف شعبوں پر متعدد تصانیف چھوڑی ہیں، اور ہر کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے اعلےٰ کتاب ہے لیکن ان میں سب سے زیادہ شہرت آپؒ کے رسالہ "القشیریہ" کو حاصل ہوئی ہے جو علم تصوف پر معتبر ترین کتاب شمار ہوتی ہے۔ کتاب کا اندازِ تحریر انوکھا ہے۔ کتاب میں سَو کے قریب ایسے بزرگانِ طریقت کا تذکرہ ہے جو اپنے اپنے اَدوار میں کاملینؒ تھے۔ پھر ان بزرگانِ دین کے اقوال سے کتاب کو انتہائی دلچسپی سے بھر دیا ہے۔ بغرضِ استفادہ چند بزرگانِ دین کے اقوال نقل کرتا ہوں:۔

۱۔ بایزید بسطامیؒ سے پوچھا گیا کہ آپؒ کو یہ منصبِ جلیل کیوں کر حاصل ہوا۔؟ جواب دیا۔

"ننگے بدن اور بھوکے پیٹ سے"!

۲۔ جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

"ہم نے یہ مقام ترکِ دنیا ترکِ خواہشات اور بھوک سے پایا ہے اس کے ساتھ ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ کے پابند ہیں"۔

۳۔ حاتم عاصمؒ فرماتے ہیں:۔

"شیطان مجھ سے روزانہ پوچھتا ہے تو کیا کھاتا ہے؟ کیا پہنتا ہے اور کہاں رہتا ہے"؟ اور میں ہمیشہ اس کو یہی جواب دیتا ہوں۔ "میری غذا موت ہے۔ پہناوا کفن ہے اور میری سکونت قبر ہے"۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت ابوالقاسم قشیریؒ ۳۷۶ھ ہجری میں نیشاپور میں پیدا ہوئے اور ۹۰ سال کی عمر میں ۴۶۵ھ ہجری میں اسی نیشاپور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ آپؒ کی چند دیگر کتابوں کے درجِ ذیل نام ہیں:۔

کتاب الجواہر، کتاب آدابِ صوفیہ، کتاب احکام السماع، نحو القلوب، کتاب المنتہیٰ۔

آپؒ کا پورا نام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیریؒ تھا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بسطام
بایزید بسطامی رح کا شہر

نیشاپور سے جانب شمال مغرب تقریباً ۵۰ میل دُور ایک چھوٹا سا خوب صورت شہر سبزوار واقع ہے آبادی ۵۰ ہزار کے قریب ہے۔ پانی کی روانی کے سبب باغات کی کثرت ہے۔ ہر قسم کا پھل فروٹ یہاں ارزاں نرخوں پر ملتا ہے۔ باشندے مہمان نواز خلیق اور حسین ہیں مسجدوں کی کثرت ظاہر کرتی ہے کہ یہاں کے باسی مذہب سے زیادہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ یہاں ہماری بس نے ایک گھنٹہ توقف کیا میں اپنے ایک ایرانی رفیق سفر آقائے وقار آرامش کی معیت میں شہر کا ایک مختصر چکر لگانے چلا گیا۔



عظیم ایرانی شاعر، عمر خیام کی آرام گاہ

آقائے وقار آرامش بلوچستان کے ایک شہر سرباز کے رہنے والے ہیں اپنے حسنِ اخلاق کی بدولت جو ایرانی قوم کا خاصہ ہے آقائے وقار آرامش نے مجھے اپنا گرویدہ بنالیا۔ آپ امپورٹ ایکسپورٹ کا کام کرتے ہیں اور اکثر بڑے شہروں میں ان کے جاننے والے موجود ہیں۔ سبزوار میں بھی ان کے ایک دوست مل گئے جن کے مجبور کرنے پر ہم ان کے گھر چلے گئے نتیجہ کے طور پر ہم نے تکلفات میں پڑ کر بس کو ڈیڑھ گھنٹہ معطل کر دیا۔ دوسری سواریاں جن میں بیشتر پاکستانی زوار تھے آگ بگولا ہو گئے تھے۔ بمشکل انہیں سمجھا بجھا کر راضی کیا اور بس نے اگلی منزل کے لیئے حرکت کی۔

سبزوار میں قابل دید یحییٰ بن موسیٰ کاظم کا مزارِ اقدس ہے جو شہر کے کنارے پر واقع ہے۔ آپ حضرت امام علی رضاؑ کے چھوٹے بھائی تھے۔ یہاں بھی زوار کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔

یہاں سے آگے بڑھیں تو چھوٹی چھوٹی بستیوں اور قصبات کے بعد جانب جنوب مغرب سبزوار سے ۱۰۸ میل فاصلہ پر ایک اور شہر شاہ رود آتا ہے۔ ایرانی دوسرے شہروں کی طرح شاہ رود بھی وسیع سڑکوں صاف ستھرے بازاروں کا حامل شہر ہے۔ باغ باغیچوں کی کثرت ہے۔ سڑکوں کے کناروں پر دو رویہ چنار کے درخت دور تک کھڑے بڑا سہانا منظر پیش کرتے ہیں۔

سلطان الاولیاء بایزید بسطامیؒ کے مزار پر یہاں سے چار میل دور شمال کی جانب ایک قدیم بستی "**بسطام**" کے چند آثار مسلمان سیاحوں اور محبانِ اسلام کے لیے کشش کے سامان لئے منتظر رہتے ہیں اس قدیم شہر کی خاک سے ایک ایسی ہستی نے جنم لیا تھا جس کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکا۔

ہر کہ عاشق شد جمال ذات را

او ست سید جملہ موجودات را

دوسری صدی ہجری کے اس عظیم ولی اللہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامیؒ کے مزار اقدس پر حاضری کی سعادت سے بہرہ ور ہُوا اور حضور کے عبادت خانہ میں دو نفل شکرانہ ادا کیا۔

شیخ عطارؒ نے اپنی تصنیف تذکرۃ الاولیاء میں حضرت بایزیدؒ کو قطب عالم، برہان المحققین اور اکابر مشائخین ایسے الفاظ سے یاد کر کے خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ حضرت عطارؒ نے بایزیدؒ کے تذکرے میں آپ کے مکتب کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے نقل فرمایا ہے کہ:۔

مدرسہ میں جب آپؒ سورۃ لقمان کی اس آیت پر پہنچے۔ اِنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (میرا شکر ادا کرو اور والدین کا بھی شکر ادا کرو) تو استاد سے اس کی تشریح کرنے کو فرمایا۔ اس آیت کا آپؒ پر اتنا اثر ہُوا کہ استاد سے اجازت لے کر فوراً گھر کی جانب دوڑے والدہ محترمہ نے جب بچے کو قبل از وقت گھر آتے دیکھا تو پوچھا:۔

"مکتب سے گھر کیوں آئے؟ آپ نے جواب دیا کہ میں نے آج درس میں قرآن مجید کی وہ آیت پڑھی ہے جس میں خدا نے فرمایا ہے کہ میرا شکر کرو اور والدین کا بھی۔ مَیں اس سلسلہ میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ مَیں دو گھروں کے انتظام کی اپنے میں استطاعت نہیں پاتا۔ یا تو مجھے خدا سے مانگ لیں تا کہ میں ہمیشہ آپ کی خدمت کروں یا مجھے خدا کے حوالے کریں۔ تا کہ مَیں اُسی کا ہو جاؤں"

والدہ محترمہ نے فرمایا میں نے تجھے خدا کے سپرد کیا اور اپنا حق بخش دیا۔ جا اور خدا کا بن۔ اس کے

بعد آپ بُسطام سے باہر چلے گئے اور مسلسل تیس برس تک مجاہدہ و ریاضت میں مختلف جگہوں میں پھرتے رہے اور پھر جب واپس اپنی والدہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے بُسطام آئے تو گھر پہنچنے سے قبل اہالیانِ شہر کا ایک جمِ غفیر آپ کے استقبال کے لیے موجود تھا۔

آپ کے بچپن کا ایک اور واقعہ بھی بڑی شہرت رکھتا ہے اور وہ اس طرح ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ نے نیند کی حالت میں پانی مانگا اور پھر گہری نیند سوگئیں۔ سُلطانُ العارفین باوجود سخت سردی کے پانی کا برتن ہاتھ میں لیے ساری رات والدہ کے سرہانے کھڑے رہے۔ صبح جب آپ بیدار ہوئیں تو اطاعت گزار لختِ جگر کو پانی کا آبخورہ ہاتھ میں لیے سرہانے کھڑا پایا۔ آبخورہ ٹھنڈک سے ہاتھ میں جم گیا تھا۔ والدہ نے پوچھا "تم نے آبخورہ ہاتھ سے رکھ کیوں نہ دیا؟" کہا "اِس لیے کہ مَیں ڈرا کہ آپ بیدار ہوں اور مجھے نہ پائیں"۔ نیک ماں نے بچے کو سینے سے لگالیا اور اس کے حق میں دُعا کی۔

حضرت بایزیدؒ کا مزارِ اقدس ایک لوہے کی ضریح میں بغیر قُبّہ کے کھلے میدان میں ہے غالباً ان کے عشقِ الٰہی کی پنہائیاں روضے کے اسقف و گنبد سے آزاد رہنا چاہتی تھیں۔ بات یہ ہے کہ محبت ایک بحرِ بے کراں ہے، اس کے جذبات لامحدود ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے بیابانوں کی وسعتوں میں رقص آرا رہتی ہے۔ حضرت بایزیدؒ کے بے گنبد مزار کے قریب ہی ایک بلند و خوب صورت گنبد خالی پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ گنبد سُلطان اعظم خان والئ افغانستان نے آپؒ کے لیے بنوایا تھا۔ لیکن آپؒ نے خواب میں اُسے یہ کہہ کر منع فرما دیا کہ

"یار کے درمیان کسی قسم کی آڑ نہیں ہونی چاہیئے فقیر کے لیے آسمان کا گنبد ہی کافی ہے"۔

یہ گنبد اپنی قدامت، بلندی اور فنِ تعمیر کے لحاظ سے قابلِ دید ہے۔ برابر میں ہی سلطان اعظم خان کی قبر ہے اس کے قریب سُلطانُ العارفینؒ کا عبادت خانہ ہے۔ مقابل میں سلطانی مسجد ہے جو اب غیر آباد ہے۔ مسجد کے برابر حضرت محمد بن جعفر صادقؓ (حضرت امام علی رضاؓ کے چچا) کا مزار ہے۔ مزار کے گرد ایک خوبصورت باغ ہے۔ درختوں اور مختلف انواع و اقسام کے پودوں نے ماحول میں خاص دِلکشی پیدا کر رکھی ہے۔

کتابی بینزین ہم



تہران یونیورسٹی کی مسجد ۔ جو جدید و قدیم فن تعمیر کا حسین امتزاج ہے

طہران — سلطنت پہلوی کا پایۂ تخت

شاہ رود سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک اور شہر آتا ہے جسے خرقان کہتے ہیں۔ یہاں حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا مزار ہے لیکن سفر کی طوالت، طبیعت کی خرابی و کسلمندی اور وقت کی کمی کے جذبہ سے جلد از جلد طہران پہنچے اور وہاں چند روز آرام کرنے میں ہی اپنی عافیت نظر آئی۔ اس لئے شہر ود سے طہران کے ارادہ پر بس پکڑی اور عازم طہران ہو گیا۔

شاہ رود سے ،، میل کے فاصلہ پر "سمنان" ہے اور وہاں سے آگے بڑھیں تو قلعہ عباس جو اب شکستہ حالت میں ہے دکھائی دیتا ہے۔ وہاں سے شریف آباد اور پھر ایران کا پایہ تخت اور دنیا کے خوب صورت ترین شہروں میں سے ایک شہر **طہران** آتا ہے۔

طہران شاہ رود سے جانب جنوب مغرب تقریباً اڑھائی سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ ایران کا یہ پر رونق و خوب صورت دار الحکومت اپنی نفاست و حسن کے لحاظ سے مشرق وسطیٰ میں اپنا ایک خاص

مقام رکھتا ہے۔ رات کے دس بجے جب ہماری بس تاریکیوں کا سینہ چیرتی ہوئی طہران کے جگمگ کرتے شہر میں داخل ہوئی تو ایسا محسوس ہوا کہ ماحول پر کیف و مستی چھائی ہوئی ہے دن سے زیادہ تیز روشنی تھی اور اس روشنی میں حشرات الارض کی طرح رینگتی ہوئی کاریں فٹ پاتھوں پر ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے حسین وجمیل جوڑے خوش رنگ وخوش پوش نوجوان محوِ خرام نظر آرہے تھے۔ انسانوں کا ایک سیلاب تھا۔ ہر طرف ہاؤ ہو، ہر شخص دوسرے سے بے پروا ایک انجانے راہ پر گامزن۔ چارسو مغربیوں کے سے ہنگامے، ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ دیارِ فرنگ کے شہروں کے سارے ہنگامے طہران کی فضاؤں میں سمٹ آئے ہیں۔ یہاں کی پوری کائنات متحرک اور زندگی اپنے پورے شباب پر تھی۔ ساتھ ہی سردی کی شدت سے رگوں میں خون منجمد ہو رہا تھا۔ تقریباً ۲۰ منٹ تک مختلف بازاروں اور راستوں پر گردش



تہران میں فردوسی چوک کا ایک منظر

کرنے کے بعد گاڑی گیراج میں داخل ہوئی۔ میں بمشکل اپنی سیٹ سے اترا اور اپنا سامان حاصل کر کے قریب ترین مسافرخانہ میں فروکش ہو گیا۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھ رہا تھا۔ اور پھر بغیر کچھ کھائے پئے بستر درست کیا اور رضائی اوڑھ کر دراز ہو گیا۔ پھر خبر نہیں باقی رات کس طرح پلک جھپکتے ہی گزر گئی۔ جب آنکھ کھلی تو سورج اچھا خاصا نکل آیا تھا۔ آج اس پورے سفر میں پہلا موقع تھا کہ صبح کی نماز قضا ہوئی ورنہ ایرانی دستور کے مطابق دورانِ سفر بھی ڈرائیور نماز کے وقت بس کھڑی کر کے مسافروں کو نماز

پڑھنے کا پورا موقع دیتے ہیں۔ مجھے ایران کا یہ دستور بہت پسند ہے۔ افسوس ہے کہ اس قسم کا نظام ایران کے سوا کسی دوسرے اسلامی ملک میں دیکھنے میں نہیں آیا۔



تہران میں کوہِ دماوند کی برف پوش اور دلفریب چوٹیاں جنتِ ارضی کا منظر پیش کرتی ہیں

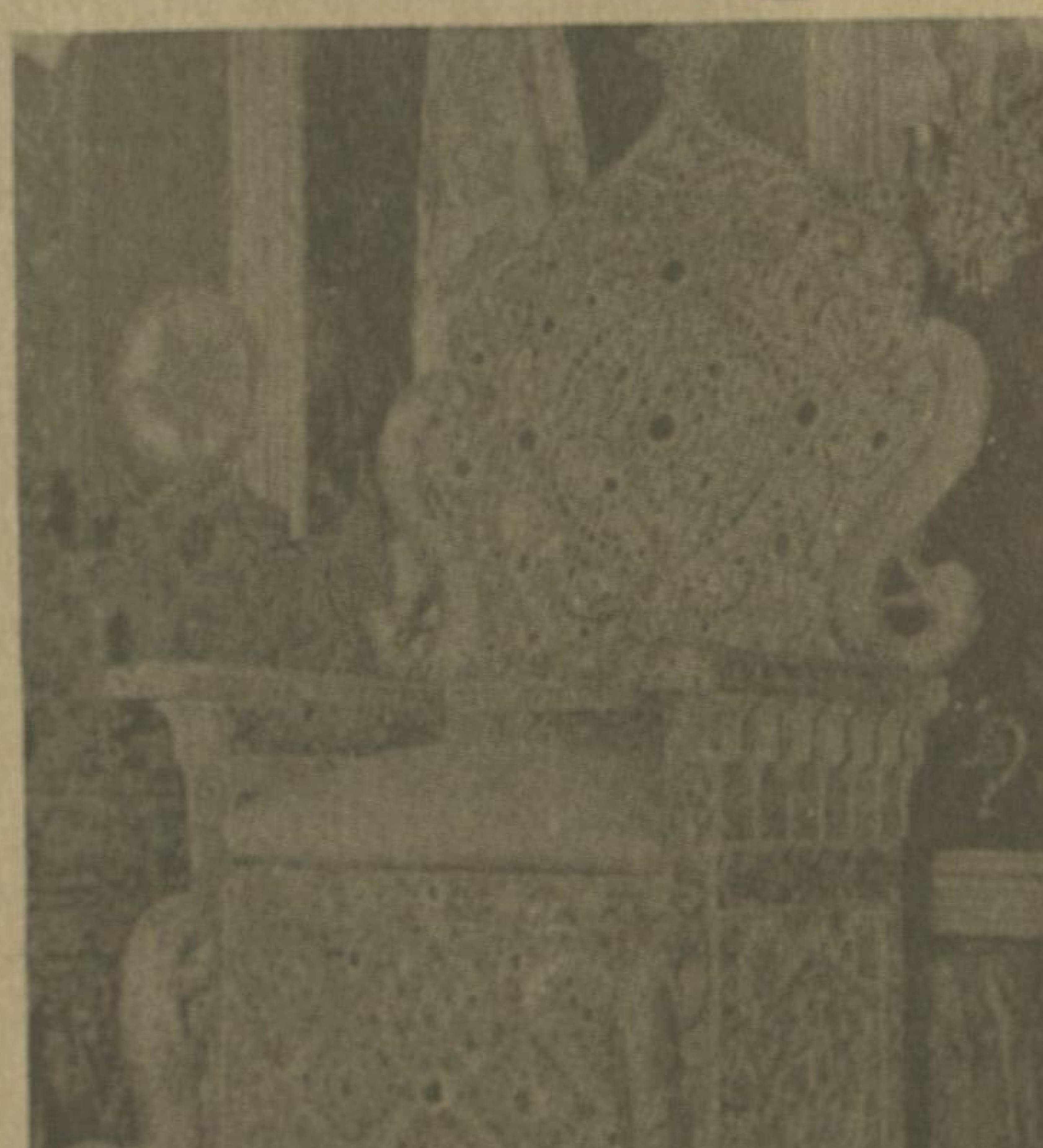
وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

اب میں آپ کو کشورِ ایران کے دارالحکومت کی سیر کرانا چاہتا ہوں جسے دنیا والے طہران کے نام سے جانتے اور پہچانتے ہیں۔ کوہ البرز اور کوہ دماوند کی بلند و بالا اور اٹھتی ہوئی چوٹیوں کے دامن میں تقریباً ۵۰ مربع میل کے رقبے کی حسین و گل رنگ وادی میں پھیلا ہوا یہ شہر اپنی پرشکوہ عمارات، کشادہ اور مصفا شاہراہوں، دل نشیں کوچہ و بازار کے اعتبار سے ہی قابلِ دید نہیں بلکہ یہاں قدم قدم پر عظیم ایرانی عوام کے ذوق و وجدان اور قومی مزاج کے اجاگر ترین نقش و نگار بھی سامنے آتے اور ہر سیاح و نو وارد کو متاثر کرتے ہیں۔

طہران اقلیم ایران کا پایہ تخت ہے۔ اعلیحضرت شہنشاہ ایران اسی شہر میں رہتے ہیں۔ پارلیمنٹ اور مرکزی حکومت کے تمام اعلےٰ دفاتر اور سفارت خانے یہیں ہیں۔ سرکاری حکام کے دفاتر اور

بنگلے دیکھنے سے ایرانی انتظامیہ کا حسن و انتظام پوری طرح عیاں ہو جاتا ہے افسروں کے اخلاقِ مشفقانہ اور کردارِ کریمانہ کا اظہار ہر سائل اور ضرورت مند پر ہوتا ہے۔ ہر ایرانی فرد بلا کسی رکاوٹ و تاخیر محتسب، حاکمِ شہر، حاکمِ صوبہ بلکہ اعلیٰ حضرت شہنشاہ ایران کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ افسروں کی اکثریت نیک دل اور خوش عنوان ہے اور عوام کو کسی بھی مرحلے پہ کوئی شکایت پیدا نہیں ہوتی۔ ایرانی افسروں کی یہ خوبی ناقابلِ فراموش ہے

طہران یونیورسٹی (دانش گاہ) کی عمارات، اس کے طلبا کی بود و باش، ان کی علمی و ادبی سرگرمیاں سب دل و شعور کو متاثر کرتی ہیں۔ اس دانش گاہ میں پاکستانی طلبا بھی اس وقت زیرِ تربیت تھے۔ یہ دانش جس نے ایران کے گوشے گوشے میں جا کر بے علمی اور جہالت کے آثار کو مٹایا ہے۔ اس کے پروفیسروں اور اساتذہ اور طہران کی اس دانش گاہ کے درمیان گہرا ربط ہے۔ طہران میں اور کئی تعلیمی ادارے ہیں۔ جن سے شہریوں کا ہر طبقہ گہری دل چسپی لیتا ہے۔



تختِ طاؤس — زیبائش و آرائش کا نکتۂ عروج

طہران ایرانی تجارت بھی علم و ادب اور سیاست کے عروج و ارتقار، تعمیر و ترقی کی تمام سرگرمیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہاں ہر طبقہ و خیال کے افراد پوری طرح مصروف ہیں۔ کام اور تعمیر و ترقی کی دھن اور لگن



ایران میں سیمنٹ کے ایک کارخانے کا فوٹو

اس طرح کے متعدد کارخانے ایران میں قائم کئے جا رہے ہیں

انہیں ہر مرحلہ مصروف رکھتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ایران جدید کے عروج میں جہاں اعلیٰحضرت شہنشاہ ایران کی مدبرانہ اور دانش مندانہ حکمتِ عملی کا کردار ہے۔ وہاں طہران کے دانشوروں، تاجروں، صنعت کاروں، مزدوروں اور عوام کی باہم کاوشوں کا بھی خاص حصہ ہے اور یہ ذوقِ عمل بھی در اصل عوام کو موجودہ شاہ ایران نے ہی عطا کیا ہے۔ اور صورت حال یہ ہے کہ اعلیٰحضرت شہنشاہ ایران نے ایرانی عوام کی زندگی کے ہر میدان میں مؤثر و نتیجہ خیز رہنمائی کی ہے۔ اور وہ ماہ بماہ اور سال بہ سال ایران کو ناقابلِ تسخیر ریاست بنا کر اپنی عظیم سیاسی سوانح کے لئے نئے نئے باب تحریر کر رہے ہیں۔

طہران کی فروش گاہیں و تجارتی مارکیٹیں ہر ملک و دیار کے تاجروں اور سیاحوں کا مرکز بنی رہتی ہیں۔ خرید و فروخت، سامان کی نقل و حمل اور خریداروں کی آمد و رفت کا سلسلہ سارا دن جاری رہتا ہے۔ تاجروں کی تجارت کی بنیاد کم منافع اور زیادہ فروخت کا اصول ہے۔ ایرانی تاجر چشم زدن میں "رئیسِ اعظم" بننے کی خواہش بھی نہیں رکھتے۔

صدیوں سے علم و فن اور تہذیب و تمدن کا گہوارہ —— اور کشور ایران کے پایۂ تخت طہران کو ایک نظر دیکھنے کے بعد بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ یہ جدید و پر رونق شہر دنیا کے حسین ترین شہروں میں میں سے ایک ہے۔

ناشتہ سے فراغت کے بعد اپنے مسافر خانہ کا محلِ وقوع اور نام پتہ نوٹ کر کے شہر کی سیاحت کو نکل کھڑا ہوا۔ باہر نکلا تو صبح کے دس بجے تھے (ایران اور مغربی پاکستان کے اوقات میں ڈیڑھ گھنٹہ کا فرق ہے) کچھ دیر تک تو پاپیادہ کشادہ سڑکوں جن کے دو رویہ چنار کے خوب صورت درخت اور کناروں پر بہتے ہوئے پانی کے شفاف دھاروں کے خوب صورت مناظر اور ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں سے حظ اندوز ہوتا رہا، پرشکوہ وجدید عمارتوں، صاف ستھرے ہوٹلوں اور قہوہ خانوں کو دیکھتا رہا۔ پھر بغیر کسی منزل کے تعین کے اڑھائی ریال کا بس کا ٹکٹ لیا اور بس میں سوار ہو گیا۔



ایرانی سڑکوں پر ساٹھ اور ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑنے والی ایک لمبی۔ لمبی بس کی باڈی ایران میں تیار کی گئی ہے۔

اس مقام پر کچھ طہران کی بسوں کے بارے میں بھی عرض کر دوں۔ طہران میں اومنی بسوں کا ٹکٹ بس شاپ پر ٹکٹ گھر سے لینا پڑتا ہے۔ پھر جیسے ہی بس پر سوار ہوں دروازے پر کھڑا ٹکٹ چیکر آپ کے ہاتھ سے ٹکٹ لے کر پھاڑ کر پھینک دے گا۔ ایرانی ٹریفک کا نظام KEEP to the RIGHT (دائیں چلو) کے اصولوں پر مبنی ہے۔

دوسری پسندیدہ چیز اومنی بسوں میں یہ دیکھی کہ جیسے ہی بس حرکت میں آتی ہے اس کے تمام دروازے

بند ہو جاتے ہیں اور پھر جب تک بس کسی سٹاپ پر جا کر نہ رُکے گی یہ دروازے نہیں کھل سکتے۔ ان کے کھلنے اور بند ہونے کا کنٹرولنگ سسٹم ڈرائیور کے قریب ہوتا ہے جیسے ہی وہ بٹن دباتا ہے دروازے بند ہو جاتے ہیں اور بٹن کھینچتے ہی دروازے کھل جاتے ہیں۔ اسی قسم کا نظام ایرانین ریلوے کے بارے میں بھی سننے میں آیا لیکن ابھی اس کو دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ طریقہ بہت اچھا اور قابلِ تقلید ہے اس سے چلتی بسوں میں چڑھنے اور اترنے سے رُونما ہونے والے حادثات سے نجات مل سکتی ہے۔ طہران کی ومنی بسیں اور ڈبل ڈیکر دوسری عام بسوں کی طرح خوب صورت ہوتی ہیں پھر بسوں کے انتظار میں گھنٹوں سٹاپ پر بھی کھڑا نہیں ہونا پڑتا ہر پانچ منٹ کے بعد آپ کو مطلوبہ مقام کی بس ملے گی۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ میں بس میں بغیر منزل کے تعیّن کے سوار ہو گیا۔ اگلے سٹاپ پر ایک خوبرُو و خوش اندام نوجوان طالبہ جو غالباً سکول سے چھٹی کرنے کے بعد اپنے گھر جا رہی تھی بس میں سوار ہوئی اور میرے ساتھ والی خالی سیٹ پر آ بیٹھی میں نے اس کے لئے زیادہ جگہ چھوڑنے کے لئے جسم کو سکیڑا تو مجھے دیکھ کر مسکرا دی اور پوچھنے لگی:

Are you Pakistani? (کیا آپ پاکستانی ہیں؟)

میں نے اُسے فارسی میں جواب دیا تاکہ وہ احساس کر سکے کہ میں اس کی ملّی زبان سے آگاہ ہوں۔

بلے خانم: (ہاں محترمہ!)



تہران کی سمام آباد کی ایک جدید عمارت — جو ایرانی مکینوں کی نفاست مزاج کی ترجمان ہے

اس کے بعد اجنبیت کے تمام تکلفات کو بالائے طاق رکھ کر اس نے کئی سوال کر ڈالے۔ پھر تھوڑی ہی دیر بعد مَیں ایران کی رِوائتی مہمان نوازی کا "شکار" ہوگیا۔ دو چار سٹاپوں کے بعد اس لڑکی کی منزلِ آگئی۔ اس کے اصرار پر مَیں بھی بس سے اترنے پر مجبور ہو گیا۔ دو چار گلیوں کے ہیر پھیر کے بعد اس کا مکان آ گیا اور مَیں با دلِ نخواستہ اس کے گھر میں داخل ہو گیا۔ گھر کیا تھا ایک چھوٹا سا باغیچہ جس میں رنگا رنگ پھول کھلے ہوئے تھے مرکز میں ایک حوض جس سے اُبلتے پانی کے فوارے کے چھینٹے قرب وجوار میں بھی آ پڑتے تھے ایک صاف ستھرا صحن اور تین نفیس قالینوں سے سجے سجائے کمرے۔ گھر میں ایک بوڑھا باپ اور ایک سات سالہ بچی ناصرہ جو باغیچہ میں کھیل رہی تھی، اور کوئی نہ تھا۔

بزرگوار نے پُر تپاک خیر مقدم کیا اور جب مَیں نے اسے بتایا کہ مَیں پاکستانی ہوں اور پاکستان کے ایک اخبار کے نمائندہ کی حیثیت سے اسلامی ممالک میں گھومنے کا پروگرام لے کر وطن سے نکلا ہُوں۔ تو آقائے مہدی حسن بہت خوش ہُوا۔ اُس نے مجھے بتایا کہ میری یہ دو لڑکیاں اور ایک نوجوان لڑکا ہے جو شہربانی (پولیس) میں ایک اعلیٰ عہدے پر مامُور ہے۔

مَیں اپنی اس ایرانی منہ بولی بہن کا نام پتہ لکھنا معیُوب سمجھتا ہُوں جس نے پہلے پہل مجھے ایرانی معاشرے کو قریب سے دیکھنے کا مُوقع دیا تھا۔ مَیں نے ان کے ہاں پُرتکلف چائے پی۔ اہلِ ایران چائے میں میٹھا نہیں ڈالتے قند کی چھوٹی سی ٹکیہ منہ میں رکھ کر اوپر سے تھوڑی تھوڑی چائے پیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ ٹکیہ منہ میں گل جاتی ہے۔ چائے میں میٹھا گھول کر پیا وہ لپسند

لے ایرانی قوم پھُولوں سے بہت پیار کرتی ہے، ہر بڑے بازار میں ایک گل فروش کی دُکان ملے گی جس میں قسم قسم کے تازہ پھول ڈالیوں اور پتوں سمیت ملیں گے۔ عام دستُور ہے کہ کسی مریض کو دیکھنے ہسپتال یا اس کے گھر جائیں تو ایک خوب صورت، رنگا رنگ پھُولوں کا گلدستہ اس کے لئے ضرور لے جاتے ہیں۔ یہ گلدستہ گل فروش پلاسٹک کے لفافہ میں اس سلیقے سے بند کر کے دے گا کہ پھُول اور پتے خراب نہ ہوں اور باہر سے دیکھنے میں خوشنما بھی معلوم ہو۔
عموماً پانچ ریال سے لے کر دو تین تومان تک ایک پھُول دستیاب ہوتا ہے۔

نہیں کرتے۔

آقائے مہدی سے ایرانی طرزِ معاشرت کی کتنی باتیں معلوم ہوئیں اور پھر گھنٹہ دو گھنٹہ کی صحبت کے بعد میں اُن سے یہ وعدہ کر کے رُخصت ہوا، کہ کل نہار (دوپہر کا کھانا) ان کے ساتھ کھاؤں گا۔ باہر نکلتے وقت میں نے دہ تومانی (دس روپے کا نوٹ) ناصرہ کے ہاتھ میں دیا اور اہلِ خانہ کے انکاری جملے سُنتا ہوا گلی میں نکل آیا۔

یہ چند گھنٹے جو مَیں نے ایک ایرانی گھر میں گزارے تھے مَیں نے محسوس کیا کہ پاکستان کی سرزمین میں اپنے بہن بھائیوں میں بسر کئے ہوں۔

وہاں سے فراغت کے بعد ایک بس میں بیٹھا اور سیدھا شاہ عبدالعظیمؒ کی زیارت کے لئے چل پڑا۔ شاہ عبدالعظیمؒ کا مزار طہران شہر سے جانبِ مغرب تقریباً آٹھ کیلو میٹر دُور واقع ہے۔ قدیم زمانہ میں یہاں شہر رے آباد تھا اور اب شاہ عبدالعظیم کے نام کی مناسبت سے اسے عبدالعظیمؒ ہی کہا جاتا ہے۔

ایک سرپوش بڑے بازار کے اختتام پر مشہد کی طرز پر بنا ہوا عظیم مقبرہ ہے جس کا گنبد طلائی ہے دیواروں پر کاشی کاری اور شیشے کا کام ایرانی فنِ تعمیر کا عمدہ نمونہ ہے۔ بڑی عظیم درگاہ ہے آپ کا سلسلۂ نسب چوتھی پشت میں حضرت امام حسن رضؓ سے ملتا ہے۔

آپ کا نسب نامہ درج ذیل ہے۔

عبدالعظیمؒ بن عبداللہ بن علی بن زید بن الحسن بن علی ابنِ ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ آپ اپنے وقت کے انتہائی خدا رسیدہ بزرگ، عالمِ کامل اور زاہد و عابد تھے۔ آپؒ کا مزار بھی مرجع خلائق ہے۔ خلقت کا جمِ غفیر تھا۔ بمشکل دُعا و فاتحہ پڑھی۔

قریب ہی حضرت حمزہؒ جو حضرت امام موسیٰ کاظمؒ کی اولاد میں سے ہیں، کا مزار ہے۔ اسی صحن میں مزار کے بالمقابل حضرت طاہرؒ جو حضرت زین العابدینؓ کی اولاد سے ہیں محوِ راحت ہیں۔ ان مقدس مزاروں پر بھی دُعا و فاتحہ پڑھی اور پھر شاہ عبدالعظیمؒ کے روضہ کے عقبی صحن میں شاہ ناصرالدین قاچار کی قبر پر حاضر ہوا۔ اسی صحن میں جدید ایران کے بانی رضا شاہ کبیر مرحوم کی بھی قبر ہے۔ لیکن مزار کا دروازہ بند تھا اور وہاں جانے کی اجازت نہ مل سکی۔ شاہ ناصرالدین قاچار کی قبر پر

شاہ کا پورا مجسمہ جو سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے قبر پر دراز ہے۔ قبر کے گرداگرد لکڑی کا کٹہرہ سا بنا ہوا ہے۔

یہاں سے تھوڑی دُور طہران جانے والی سڑک پر ایک خوش منظر پارک میں ایک اور خوب صورت رَوضہ ہے۔ یہ بھی اپنی تعمیر اور نفاست میں قابلِ دید مقام ہے اس رَوضہ میں خاندانِ نبوّت کا کوئی مقدس نفس عبداللہؒ نامی محوِ راحت ہے۔ یہاں بھی دُعا و فاتحہ پڑھی اور پھر واپسی کی بس پکڑی اور اپنے مسافر خانہ میں پہنچ گیا۔

اِس مسافر خانہ میں کئی اور پاکستانیوں سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا لیکن ان میں بہت کم لوگ سَیر و تفریح کرنے کے لئے یہاں آئے تھے زیادہ تعداد ان لوگوں کی تھی جو روزگار کی تلاش میں ترکِ وطن کر کے یہاں پہنچے اور پھر دوسرے پاکستانیوں سے مل کر عراق، کویت اور ایران کے مابین "امپورٹ ایکسپورٹ" کا بزنس کرنے لگے۔ یہاں سے مال عراق لے جاتے ہیں وہاں سے کپڑا وغیرہ لاکر طہران میں بیچتے اور پھر کویت کا ویزا لگوا کر دوبارہ کویت سے مال لاتے اور پھر اس طرح کے چکر لگاتے اور "پھیرے باز" کہلاتے۔ یعنی ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شُد کے مصداق ہر نو وارد ان میں شامل ہوتا رہتا ہے۔

پاکستان کے بعض درزی البتہ یہاں مدتوں سے رہائش پذیر ہیں اور خوب کماتے ہیں اور حسب دستور کے مطابق تین مہینے پورے ہونے کو آتے ہیں تو ایک آدھ پھیرا لگا کر پھر تین ماہ کے لئے انہیں قیام کی اجازت ہو جاتی ہے بعض یہاں کے لئے جوازِ کار اور جوازِ اقامت بھی رکھتے ہیں اور مختلف دفتروں اور کام کی جگہوں پر متعین ہیں اور مزے کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔

آج کل چونکہ جوازِ کار نئے آدمی کو نہیں دیا جاتا اس لئے تین ماہ کے قانونی جواز سے استفادہ کیا جاتا ہے۔

اگلے روز اپنی ایرانی منہ بولی بہن کے لئے کچھ تحائف خریدے اور گیارہ بجے کے قریب اُن کے گھر پہنچ گیا۔

میزبان دروازے پر کھڑے ملے آقائے حسین' بانو (میزبان) کے بڑے بھائی نے اپنے پاکستانی مہمان کے لئے دفتر سے خصوصاً چھٹی لے رکھی تھی۔ سُبحان اللہ! کیا سجیلا جوان ہے ایرانی حسن کی منہ بولتی

تصویر، سُرخ و سپید رنگ، بلند قامت، تیکھے نقوش اور زبان شہد کیطرح شیریں۔

"رسیدنت بخیر" کے رس بھرے الفاظ کے ساتھ ہی وہ بغل گیر ہوگیا اور ایرانی رسم کے مطابق گردن پر بوسہ دیا، در حقیقی بھائیوں کی طرح ہم ملے۔ باتیں ہوئیں اور پھر مَیں نے بانو کی خدمت میں تحائف پیش کر دیئے ان میں بے بی ناصرہ کا ایک خوش نما فراک بھی تھا۔ یہ چیزیں تھوڑے سے لیت و لعل کے بعد قبول کر لی گئیں اور کچھ دیر بعد ہم کھانے کی میز پر تھے۔

اہلِ ایران بود و باش کی طرح خورد و نوش میں بھی خوش سلیقہ ہیں۔

چلو کباب (کباب اور چاول) ایرانیوں کی مرغوب ڈش ہے۔ یہ لوگ چاول کئی طریقوں سے پکاتے ہیں سادہ چاول، دولما (انگور کے تازہ پتوں یا سبز مرچ کے چھلکوں میں چاول لپیٹ کر پکاتے ہیں) شیر برنج اور دوسرے کئی اور طریقے ہیں۔ چاولوں میں رنگ بھی ڈالتے ہیں اور بعض اوقات سویاں بھی شامل کر لی جاتی ہیں۔ چاولوں کی کھرچن شوقیہ کھاتے اور خاص اہتمام سے تیار کرتے ہیں۔ کباب کئی قسموں کے ہوتے ہیں۔ جن میں کوفتہ تبریزی زیادہ پسند کیا جاتا ہے۔

آبِ گوشت (یخنی) میں روٹی بھگو کر کھاتے ہیں۔ سوپ بھی پسند کرتے ہیں گوشت میں سبزی، دالیں اور آلو وغیرہ سب کچھ ڈال کر پکاتے ہیں یہ خورِ شت کہلاتا ہے۔ روٹی اور چاول باہم ملا کر کھاتے ہیں۔ ایران میں روٹی گھروں میں پکانے کا رواج نہیں ہے نانفتون (تنور) پر ہر قسم کی خمیری فطیری، گول، گز بھر لمبی، نمکین، میٹھی الغرض جس قسم کی چاہیں روٹی مل جاتی ہے۔ بالعموم ایک تومان کی کیلو (۱۰۰ اگرام) تول کر بیچتے ہیں۔ حالاں کہ آٹا ۱۱ ریال کا کیلو بکتا ہے۔

ناشتہ میں پنیر، روٹی اور چائے رغبت سے کھاتے ہیں حلیم، کلہ پاچہ (سری پائے) بھی عموماً استعمال کرتے ہیں۔ کھانے کے بعد شہد ان کی پسندیدہ غذا ہے۔ کھاتے ہوئے برتن میں کچھ حصہ غذا کا باقی رہنا چاہیئے ورنہ صاحبِ خانہ سمجھے گا کہ آپ کو مزید چاہیئے۔ غذا میں سُرخ مرچ کا استعمال قطعاً نہیں کرتے۔

مَیں نے مختلف کھانوں کو چکھا چلو کباب زیادہ پسند آئے اس لئے وُہی زیادہ کھائے۔ آقائے حسین مختلف پلیٹیں میری طرف سرکاتا اور مَیں اس کی دلداری کے لئے ان میں سے کچھ لیتا اور جب مَیں نے کھانے سے ہاتھ کھینچا تو انہیں بڑا افسوس ہوا کہ اہلِ پاکستان کھانا کھاتے نہیں بلکہ چکھتے

ہیں۔ کھانے کے بعد چائے کا ایک اور دور چلا پھر حسب پروگرام بہن بھائی کے ساتھ فروشگاہ فردوسی دیکھنے چل پڑا۔

بس نے ہمیں خیابان فردوسی پر فروشگاہ سے کچھ دور اتار دیا اور ہم پیدل ایران کی اس عظیم مارکیٹ کو دیکھنے چل پڑے۔

فروشگاہ فردوسی ایک تہہ خانہ اور دو منزلوں پر مشتمل ایک خوب صورت عمارت میں واقع ہے۔ یہاں دُنیا کی ہر نایاب شئے بکتی ہے۔ فروشگاہ میں داخل ہوتے ہی ایک کیفے میں ہم نے چائے کا ایک اور دور چلایا۔ ساتھ ہی ایک فوٹو گرافر سے فوٹو اتروائے جو اس نے پانچ منٹ کے اندر اندر تیار کر کے دے دیئے دو تومان میں چار پوز۔

وہاں سے فراغت کے بعد "برقی زینہ" پر کھڑے ہوئے جس نے پل بھر میں ہمیں دوسری منزل پر پہنچا دیا۔ دوسری منزل پر بھی ملکی و غیر ملکی مصنوعات سے پُر دکانیں ہیں۔ ان دکانوں پر بیش تر لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ یہ سیل گرلز گاہکوں سے بڑے اچھے طور طریقے اور شیریں زبانی سے پیش آتی ہیں۔ میرے میزبانوں نے چند چیزیں خریدیں اور پھر ہم زینوں کی راہ سے پہلی منزل پر پہنچے۔ فروش گاہ فردوسی حقیقتاً قابلِ دید مارکیٹ ہے اس پر زیادہ تر شاہی خاندان کے افراد کا سرمایہ لگا ہوا ہے۔

فروش گاہ سے باہر نکلے اور ایک ٹیکسی لے کر طہران سے کچھ دور ایک پہاڑی تفریح گاہ کوہ شمیران کی سیر کو چل پڑے۔ یہاں بڑے عظیم و خوب صورت شاہی محلات ہیں ایک عمدہ تفریح گاہ ہونے کے باوجود بے رونقی تھی کیوں کہ یہاں رونق گرمیوں کے دنوں میں ہوتی ہو گی دسمبر، جنوری تو سردیوں کے جوبن کے مہینے ہیں۔ پہاڑ کی بلندی پر ایک روضہ ہے۔ بتایا گیا کہ یہاں پر حضرت قاسمؓ بن امام حسینؓ کا سر مبارک مدفون ہے۔

رات ہو چکی تھی اور ہوا میں بھی خنکی بڑھ جانے کی وجہ سے واپس ہوئے میزبانوں نے مجھے مسافر خانہ خانہ میں چھوڑا اور خود اپنی منزل کو سدھارے۔

اگلے روز سویرے سویرے سفارت العراقیہ میں عراق کے ویزا کے لئے گیا اور فارم پُر کر کے پاسپورٹ جمع کرا دیا۔ بڑی مشکل سے دو روز بعد پاسپورٹ کی واپسی کا وعدہ لیا۔ ورنہ دوسرے پاکستانیوں کو تو ہفتہ ہفتہ ویزا کے لئے انتظار کرنا پڑتا ہے۔ سفارتخانہ والوں کے نزدیک سارے پاکستانی پھیرے باز ہوتے

ہیں خواہ وہ اخبار کے نمائندہ ہوں خواہ کسی دوسرے محکمے کے ملازم۔ بمشکل انہیں باور کرا سکا کہ میں اس کام کو بہت بُرا سمجھتا ہوں۔

طہران میں بہت سی چیزیں دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں جن میں بعض کو میں وقت کی کمی کے باعث نہ دیکھ سکا۔

یہاں زیارات میں سے سیدہ فاطمہ کبریٰ بنت امام حسینؑ اور ان کی والدہ محترمہ بی بی شیر بانو کے مقابر ہیں اس کے علاوہ طہران کا ڈیم "دربند" فراز کوہ پر ایک حسین مقام پر بنایا گیا ہے یہ جنت ارضی کا ایک ٹکڑا ہے دربند، امام قاسمؑ کے مقبرہ سے سات میل مزید چڑھائی پر واقع ہے۔

اس کے علاوہ طہران میں۔

گلستان محل، نیشنل بنک، پارلیمان کی عمارت، دربند ہوٹل، تہران یونی ورسٹی، ملی دارالکتب، سٹیڈیم، مختلف کارخانے اور دوسری ان گنت چیزیں ہیں جن کو دیکھنے کے لئے مہینوں کی فرصت درکار ہے۔

خیابانِ لالہ زار" میں جو عظیم بازار ہے اس کی مثال کسی پاکستانی بازار سے نہیں دی جا سکتی ہمارا انارکلی بازار اس کا چوتھائی بھی نہ ہوگا۔ خوب صورت اور ملکی و غیر ملکی مصنوعات تھوک نرخوں پر خریدنے کے لئے لوگ خیابانِ لالہ زار کا رُخ کرتے ہیں کھوے سے کھوا چھلتا ہے ایک ایک دُکان پر لاکھوں اور کروڑوں روپوں کا مال موجود ہے۔ سامانِ پلاسٹک کی دُکانیں الگ، ایرانی شالیں، کمبل اور قالینوں کے بازار در بازار الگ، کپڑوں کی مارکیٹ الگ الغرض کئی میل تک لمبا بازار ہے جس میں دنیا کی ہر شے دست یاب ہو سکتی ہے۔

اگر ایران کی خاتم کاری، کاشی کاری، نقاشی، زری بافی، قالین دوزی اور آئینہ سازی کو قریب سے دیکھنا ہو تو تہران تشریف لائیے بہترین سنیما ہال، نفیس اور صاف ستھرے بازار، رات کو چمکتے ہوئے اشتہاری بجلی کے قمقمے اور دوسری چیزیں سیاحوں کے لئے بڑی کشش رکھتی ہیں۔ ایران کے حمام دنیا کے بہترین حمام سمجھے جاتے ہیں۔

تختِ طاؤس خاص طور پر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ تخت برِ صغیر کی عظمتِ رفتہ کی داستان بیان کرتا ہے۔ اسے دیکھنے کے لئے دس روپے کا ٹکٹ ہے لیکن ہفتہ میں صرف دو روز دروازے کھلتے ہیں۔

یہ وہی تختِ طاؤس ہے جو شاہ جہان نے نو برسوں میں دس کروڑ روپوں کی لاگت سے بنوایا تھا۔

اگرچہ مرورِ زمانہ سے اس کی آب و تاب میں فرق آچکا ہے پھر بھی لعل و یاقوت سے جڑا ہوا یہ بیش قیمت تخت دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی تخت کے ساتھ محمد شاہ رنگیلے کا تخت بھی پڑا ہے جو لعل و جواہر سے مرصع ہونے کے باوجود تختِ طاؤس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

طہران میں ایک ہفتہ بھر قیام کیا اور پھر آٹھویں روز صبح دس بجے "کاظمین" (بغداد) کی بس کی چھت پر میرا سامان لادا جا رہا تھا اور میری منہ بولی ایرانی بہن آقائے مہدی حسن، آقائے حسین، اور معصوم ناجرہ مجھے اَلوِداع کہہ رہے تھے آج ان لوگوں کی موجودگی ذہنی طور پر مجھے پھر پاکستان کی فضاؤں میں لے آئی۔ دِل بیٹھنے لگا۔

مَیں نے دیکھا میرے ایرانی عزیزوں کی آنکھیں پُرنم تھیں رُندھے ہوئے گلے سے مجھے خُدا حافظ کہا اور مَیں اپنی سیٹ پر آبیٹھا تھوڑی دیر بعد ہماری بس گیراج سے نکلی اور تہران کی خوبصورت شاہراہوں اور بازاروں کا چکر کاٹتی رہی پھر تہران کی آبادی بہت پیچھے رہ گئی۔

تیز ترک گامزن منزلِ ما دُور نیست

(باقی جلد دوئم میں)

ایران
کے دو خوبصورت اور قابلِ دید شہر



اصفہان
فلک بوس میناروں اور دلکش گنبدوں کا شہر

شیراز
سعدیؒ و حافظؒ کا مولد و مدفن

اگرچہ میرے سفر کے راستے سے اصفہان اور شیراز زیادہ فاصلے پر تھے لیکن ایران کو اصفہان اور شیراز کی تاریخی عظمت، تعمیرات کے حسن اور شعر و سخن کے تاجداروں کی بدولت جو شہرت حاصل ہے اس کے پیشِ نظر میں نے ان دونوں شہروں کو دیکھنے کے لئے خصوصی پروگرام بنالیا۔ اصفہان اپنے دامن میں اتنا حسن رکھتا ہے کہ اہلِ جہاں اسے "نصف جہاں" کا درجہ دیتے ہیں۔ اسی طرح حافظؒ و سعدیؒ کا مولد و مسکن شیراز اپنے خوشگوار موسم، دلفریب اور فردوس منظر سبزہ زار ہے اور نظر افروز بازاروں کے لحاظ سے قلمروئے ایران میں اپنی مثال آپ ہے۔ یہ دونوں شہر ایران کی آبرو ہیں اور انہیں نظر انداز کرنا کسی صاحبِ ذوق مؤرخ و سیاح کیلئے مشکل ہے۔ ان دونوں شہروں میں ایرانی قوم کا ذوق، مزاج اور شعور پوری طرح عیاں اور واضح شکل میں نظر آتا ہے۔

فضل الرحمان



اصفہان کا خواجو پل جس کے ماحول کا سحر انسانی شعور کو مدتوں اسیر بنائے رکھتا ہے

اصفہان
نصف جہان ہے

سلطنتِ پہلوی میں اصفہان کا مقام وہی ہے، جو مغل دور میں دلی اور آگرے کا تھا۔ اہلِ دل نے اصفہان کو نصف جہان کہا ہے۔ اور اصفہان کے در و بام، کوچہ و بازار اور وسیع و عریض مرغزاروں کا حسن و جمال اس مختصر اور جامع خراجِ تحسین کا حقدار بھی ہے۔

اصفہان کو ایران کے بارونق اور حسین و خوشتر شہروں میں سرِ فہرست لایا جا سکتا ہے۔ یہاں سنگ و خشت کی عمارات تو خیر قابلِ دید ہی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی آب و ہوا کے خوش گوار اور ساحرانہ اثرات نے اسے ایران کے دوسرے چند بڑے شہروں سے ممتاز کر دیا ہے پورا سال زندگی بخش ہواؤں کے قافلے اصفہانی فضاؤں

پر غالب رہتے ہیں قدم قدم پر نکہتِ بادِ بہاری اور خرامِ بادِ نسیم کے دل نواز مناظر دیکھنے ہوں تو اصفہان گنجان آبادیوں سے ذرا ہٹ کر کنارِ آبِ جُو آ جائیے۔ ہوا کا ایک ایک جھونکا محبوب کے قرب کا سا نشہ دے کے انسان کو ماحول میں دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ دریا کی البیلی موجوں کے ہلکے ہلکے ترنم پر کبھی تو کسی فراق دیدہ دوشیزہ کی ہچکیوں اور کرب کا گمان ہوتا ہے تو کبھی قرب و رفاقت کے نغموں کا احساس ہوتا ہے یعنی ہر لمحہ ایک نیا خیال آئینہ خانۂ شعور اپنے جمال کی پرچھائیاں ڈالتے ہوئے آگے نکل جاتا ہے۔ اِصفہان ایرانی عوام کے مزاج، احساسات، تمناؤں اور امنگوں کا ترجمان شہر ہے اور اس کی سیاحت واقعی نصف جہان کی سیاحی کے برابر ہے۔ آبادان میں جب بادِ گرم اور ہوائے صرصر کے جان لیوا طوفان چلنے لگے تو میں ان کی یورشِ پیہم کے سامنے سپر ڈال کر اصفہان کی سیاحت کو نکل آیا۔

یہ جُون کا مہینہ تھا اور آبادان کا شہر میں اِن دنوں بسلسلۂ ملازمت اسی جہنم زار میں مقیم تھا۔ ایسے لوگ جنہیں کبھی کویت یا آبادان میں گرمیاں گزارنے کا اِتفاق ہوا ہو وہ اچھی طرح جانتے ہونگے کہ ان دو شہروں میں گرمی کسقدر شدید پڑتی ہے آبادان اور کویت کی گرمی میں صرف اتنا ہی فرق ہے کہ آبادان میں جگہ جگہ باغات اور تفریح گاہیں ہیں سڑکوں کے کناروں پر بڑے بڑے درخت ہیں جن کی وجہ سے شرجی اور لُو میں کسی حد تک



چھل ستون میں گچ کاری سے آراستہ کیا گیا ایک گوشہ جو اپنی فنی نفاست و مہارت کا نادر نمونہ ہے

اِعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ لیکن کویت میں ابھی تک سبزہ کی کمی ہے۔ آبادان کے متموّل اور بیشتر خوش فکرے نقل مکانی کر چکے تھے صرف طبقۂ ملازمین اور کاروباری لوگ اور آئیل ریفائنری میں کام کرنے والے لوگ جو بعض

مجبوریوں کی بنا پر یہاں سے جا نہیں سکتے تھے آبادان کی رونق کو قائم رکھے ہوئے تھے۔

مَیں نے بھی اِس آگ کی بھٹی سے نجات کی سبیل نکالی اور پھر خرّم شہر سے بس میں سوار ہو کر سیدھا اصفہان کا راستہ لیا خُرّم شہر سے اصفہان کا صحت افزا مقام سوا چار سَو میل شمال مشرق دور واقع ہے اس تاریخی اور قدیم شہر کی زیارت کے لیئے دنیا بھر سے سیاح آتے ہیں۔ یہاں کے حسین قدرتی مناظر، تاریخی مقامات اور خوبیٔ آب ہوا مدّتوں انسان کے ذہن سے محو نہیں ہو سکتے۔

مسجدِ شاہ، مسجدِ لطف اللہ، مدرسہ چہار باغ، خواجو پُل، مینارِ جنباں، چہل ستون اور اسی طرح کی متعدد قدیم عمارات دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔

پہلے روز تو سفر کی تھکاوٹ اور کسلمندی کی بدولت بخار کی کیفیت رہی دوسرے روز علی الصبح تاریخی مقامات کی زیارت کے لیے چل پڑا سب سے پہلے اصفہان کا مشہور تاریخی پُل خواجو پُل دیکھنے کا اتّفاق ہوا یہ خوب صورت و عظیم پُل خیابان چہار باغ کے خاتمے پر ہے اور خاصا طویل ہے۔ پُل کے نیچے چھوٹا سا دریا بہہ رہا ہے۔ اوپر مصروف پختہ سڑک ہے۔ یہ دریا قریب ہی کی پہاڑیوں سے نکل کر آتا ہے ایک جانب پس منظر میں پہاڑیاں بڑا خوب صورت نظارہ پیش کرتی ہیں۔ پُل کے شروع میں شاہ رضا کا سنہری مجسمہ ایک گھوڑے پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجسمہ کے چبوترے کے اطراف میں ایک گول دائرہ باغیچہ ہے جس میں رنگا رنگ پھول ایرانی بلند ذوق کا ثبوت پیش کر رہے ہیں۔ دائیں جانب بیٹھنے کے لیے کرسیاں اور بنچ بچھے ہوئے ہیں جہاں اہلِ اصفہان اور دُور دراز سے پہنچے ہوئے زوّار اپنا بیشتر وقت گزارتے ہیں۔ پُل سے نیچے پانی کی سطح



اصفہان کی مسجدِ شاہ کے سامنے کا نظر افروز منظر
گنبد و مینار کے نقش و نگار ایرانی فن کاروں کے حسنِ ذوق کی عکاسی کر رہے ہیں

سے کچھ اوپر محراب دار دریچے ہیں جو اندر سے برآمدہ کی مانند کمرے سے بنے ہوئے ہیں۔ ان کمروں میں بھی دوپہر کے وقت خوش فکر سے ایرانی اپنا وقت گزارتے ہیں۔ پانی کی سطح پر پہنچنے کے لیئے اور ان محراب دار کمروں تک جانے کے لیئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ اپنی قدامت اور حسنِ تعمیر کے لحاظ سے یہ پل قابلِ دید ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر میں میدانِ شاہ میں آیا۔ میدانِ شاہ ایک بہت بڑا میدان ہے جس کے عین وسط میں ایک مستطیل حوض اور کناروں پہ بہترین پھولوں کے پودے لگے ہیں جو از حد سہانے لگتے ہیں۔ اسی میدان میں شاہ عباس کے دور کی عظیم ترین مسجد "مسجدِ شاہ" واقع ہے جو اپنی خوب صورتی کے لحاظ سے واحد مسجد ہے۔ اس مسجد کی تعمیر آج سے ساڑھے تین سو برس قبل شاہ عباس کے دور میں ہوئی۔ اس کے باوجود کہ اصفہان میں شدید برفباری ہوتی ہے مسجد کے در و دیوار اور گنبد و مینار کو دیکھ کر کوئی شخص یہ سوچ بھی نہیں سکتا کہ یہ اتنا عرصہ قبل تعمیر ہوئی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تعمیر چند سال ہی قبل ہوئی ہے۔



مسجدِ شاہ کا حسین گنبد

مسجد کی ڈیوڑھی میں سنگِ سماق کا ایک بہت قیمتی پتھر ایک ستون پر نصب ہے۔ مسجد کے صحن میں ایک بڑا سا حوض ہے جس میں نمازیوں کے لیئے پانی موجود رہتا ہے۔

مسجد میں دو تین ایسی چیزیں ہیں جو کسی دوسری مسجد میں نہیں پائی جاتیں۔ سب سے بڑی عجیب و غریب شے گنبد کی ساخت ہے اس کے نیچے کھڑے ہو کر بلند آواز سے کوئی کلمہ کہا جائے تو بجائے گونج پیدا ہونے کے وہی کلمہ بار بار اپنی صدائے بازگشت دیتا ہوا معلوم ہوگا۔ نماز کے وقت مؤذن اسی گنبد کے نیچے کھڑے ہو کر اذان دیتا ہے۔ تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر بعد کئی اذانیں دی جا رہی ہیں۔ گنبد باہر سے چوّن میٹر بلند ہے اور اندر سے چونتیس میٹر۔



اصفہان کی مشہور مسجد شاہ کا منبر، جو سنگِ مرمر کے ایک ہی ٹکڑے کو کاٹ تراش کر بنایا گیا ہے منبر کی بارہ سیڑھیاں ہیں

اس مسجد میں دوسری عجیب و غریب چیز سنگ مرمر کا ایک ہی پتھر سے تراشا ہوا منبر ہے اس کی بارہ سیڑھیاں ہیں یہ منبر بھی قابل دید اور لاثانی ہے۔ مسجد سے ملحقہ "مدرسہ سلیمان" میں بنی ہوئی ساعت شیخ بہائی بھی سیاحوں کے دیکھنے کی چیز ہے مدرسہ کے کونہ میں سہ گوشہ سنگِ سیاہ نصب ہے جب اس پتھر کا سایہ مستقیم خط کھینچتا ہے تو اس وقت اصفہان میں دوپہر کا وقت سمجھا جاتا ہے۔ یہ دھوپ گھڑی بھی ایک نرالی اور قدیم چیز ہے۔ مسجد کے ایک جانب شاہ عباس کے نماز پڑھنے کا مخصوص کمرہ بھی ہے جہاں وہ اپنے وزراء و اُمراء سمیت نماز پڑھتا تھا۔

مسجد کی دیواروں پر کاشی کاری اور نقاشی کے علاوہ جگہ جگہ خوب صورت اندازِ تحریر میں قرآنی آیات اور احادیثِ رسولِ اکرمؐ مرقوم ہیں اور ایرانی فنِ تعمیر کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔

مسجدِ شاہ کے بائیں جانب ایک اور چھوٹی سی مسجد ہے جو مسجدِ لطف اللہ کے نام سے مشہور ہے یہ مسجد بھی شاہ عباس کے دور کی بنی ہوئی ہے اور تعمیر کے لحاظ سے مسجدِ شاہ سے کسی طرح بھی کم نہیں انتہائی خوب صورت گل کاری اور نقاشی کی گئی ہے۔ اس کی تعمیر پر بھی زرِ کثیر خرچ کیا گیا ہے اس کا گنبد باہر سے بتیس میٹر بلند ہے۔ اس کے نام کے بارہ میں بتایا گیا کہ یہاں کا امام شاہ عباس کا مقربِ خاص تھا اور شاہ کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی اس وجہ سے اِس مسجد کا نام "مسجدِ لطف اللہ" رکھا گیا۔



اصفہان میں مسجدِ شاہ کے قریب مسجد لطف اللہ کا ایک خوب صورت منظر۔

مسجد کے دائیں جانب میدانِ شاہ میں ایک خوب صورت سہ منزلہ عمارت "علی قاپو" ہے اس کی دوسری منزل کی گیلری میں شہنشاہ عباس اپنے مصاحبین کے ساتھ میدانِ شاہ میں پولو کے کھیل سے محظوظ ہوا کرتا تھا۔ مسجدِ شاہ سے ملحق وسیع و عریض میدان جسے "میدانِ شاہ" کہا جاتا ہے اور جس کا مختصر ذکر پچھلے اوراق میں کر چکا ہوں اتنا بڑا میدان ہے کہ اس کے ایک جانب "مسجد شاہ" دائیں طرف علی قاپو کی عمارت بائیں طرف "مسجد لطف اللہ" اور چاروں طرف ایرانی مصنوعات کی بڑی بڑی دکانیں ہیں ایک کنارے پر بسوں کے گیراج ہیں جہاں سے

مختلف اطراف کو جانے والی بسیں ہر وقت تیار ملتی ہیں۔ مسجد کے قریب دیوار میں جو دُکانیں ہیں ان میں غالیچے، قالین، پیتل، تانبے کے منقش برتن، سامان آرائش فروخت ہوتا ہے لاکھوں روپوں کے مال سے دُکانیں بھری پڑی ہیں۔ بعض دُکانوں کے باہر ہاتھوں پر بھی کاریگر مال تیار کرتے نظر آتے ہیں جس طرف بسوں کے گیراج ہیں اس سے ملحق ایک چھتا ہوا بازار ہے جس میں بوٹ چپل اور دوسرا سامان بکتا ہے۔ اس کے داہنی جانب پلاسٹک کی ایرانی مصنوعات اور دوسری ضروریاتِ زندگی بیچنے والی تھوک دُکانیں ہیں۔ میدان کے وسط میں



ایرانی محکمہ بجلی و آبرسانی کے مرکزی دفاتر کی ملٹی بوس عمارت۔ جدید ایران کی ترقی کی نقیب

ایک وسیع و عریض حوض ہے اور مختلف گلدار پودے میدان کے حسن و جمال کو زینت بخش رہے ہیں۔

دن کا بیشتر حصہ یہیں بسر ہوا اور پھر میں عمارت چہل ستون دیکھنے پا پیادہ چل پڑا۔ یہ عمارت میدان شاہ سے کچھ زیادہ دور نہیں ہے اور عجائبات زمانہ میں اگر اسے شمار کیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ داخلے کا ٹکٹ لیا اور بڑے گیٹ سے اندر داخل ہوا دروازے سے ملحق ایک خوب صورت باغ آتا ہے کچھ دوری پر عمارت چہل ستون ہے۔ انواع و اقسام کے درختوں اور پھولدار پودوں میں گھری ہوئی یہ عمارت حقیقتاً شاہ عباس

کا محل تھا جسے آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے "انجمن آثارِ ملّی" کی تحویل میں دے دیا گیا ہے۔

اسے چہل ستون اس لیئے کہا جاتا ہے کہ عمارت سے باہر برآمدہ میں بیس ستون ہیں اور برآمدہ سے آگے ایک حوض ہے جس کے پانی میں ان بیس ستونوں کا عکس پڑتا ہے تو پانی میں بھی پورے



چہل ستون کی عمارت کا بیرونی منظر، ستونوں کا عکس صاف پانی میں نظر آرہا ہے

بیس ستون نظر آتے ہیں چنانچہ بیس ستون اور ان کا عکس مل کر چہل ستون ہوئے۔ اسی مناسبت سے اسے "عمارتِ چہل ستون" کہا گیا۔ بڑی خوب صورت عمارت ہے۔ عمارت کے اندر عجائب خانہ ہے جس میں انتہائی قیمتی نوادرات ذخیرہ کیئے گئے ہیں۔ ایک قرآن مجید جو ہرن کی کھال پر خطِ کوفی میں لکھا گیا ہے قابلِ دید ہے۔ علاوہ ازیں سیّدنا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ اور عیسائیوں کے مابین سنہ ۴۰ ہجری میں جو معاہدہ ہوا تھا اس کا اصل نسخہ بھی یہاں موجود ہے شاہ عباس کے دور کے تمام نوادرات، کھانے پینے کے برتن، گلدان اور صفوی دورِ حکومت کے سکے مختلف شوکیسوں میں موجود ہیں۔

عمارت میں داخل ہوں تو دائیں اور بائیں ایک ایک بڑا کمرہ ہے ان کمروں میں یہ تمام اشیاء محفوظ

رکھی ہوئی ہیں۔ ہال کی دیواروں پر مختلف تصاویر بنی ہوئی ہیں جن میں مختلف مناظر کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ عمارت کی طرزِ تعمیر قابلِ ستائش ہے۔

عمارت سے باہر جو پانی کا حوض ہے اس کے چاروں کونوں پر شیروں کے مجسمے بنے ہوئے جن کے منہ کھلے ہوئے ہیں ان شیروں کے اندر اس طریقے پر پائپ فٹ کیئے گئے ہیں کہ کھلے منہ فوارے کا کام دیتے ہیں ان کے ساتھ ستون بنائے گئے ہیں جن پر عورتوں کے مجسمے کندہ ہیں۔

اس حسین وجمیل عمارت کی سیر کچھ ایسی سرور انگیز اور لذت بخش تھی کہ وقت کے گذرنے کا احساس ہی نہ رہا اور میں اس دور میں پہنچ گیا جب اس عظیم شہر کو دارالخلافے کی حیثیت دی گئی۔ یہ دو ہزار سال پرانا شہر عربوں، ترکوں اور افغانوں کے زیر حکومت رہا لیکن اس کی رعنائی اور دلکشی بڑھانے میں صفوی حکمرانوں نے بڑی محنت سے کام لیا۔ شاہ عباس نے تو اسے جنت کا مثیل بنا دیا۔ یہاں کی عمارات، مساجد اور محلات کی تعمیر میں ایرانیوں نے اپنے فن کے اعلیٰ جوہر دکھائے ہیں۔ چہل ستون اپنی طرز کی واحد اور خوب صورت عمارت ہے جس کی مثال کوئی دوسرا شہر پیش نہیں کر سکتا۔ ان ہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ منتظم آ گیا اور اس نے بتایا کہ اس عجائب گھر کے بند ہونے کا وقت ہو گیا ہے چناں چہ میں اس الف لیلوی ماحول سے نکل کر عالمِ حقیقت میں قدم انداز ہوا۔

با رفیقانِ خودم رختِ سفر دست نہ داد
سرِ صحرائے جنوں حیف کہ تنہا کردم

اصفہان سے چار میل باہر عجائباتِ زمانہ میں سے ایک اور قابلِ دید چیز "مینار جنبان" (ہلنے والے مینار) ہیں۔ یہ مینار عبداللہ بن محمد خملوی کے مقبرے کے دروازے کی جانب دونوں کناروں پر بارہ گز کے فاصلے پر بنے ہوئے ہیں اور رنگین ٹائلوں اور نقش ونگار سے مزین ہیں۔ ان میناروں میں سے کسی ایک مینار کو پکڑ کر ہلایا جائے تو دوسرا مینار بھی ہلتا ہے۔ مدت ہائے مدید سے لوگ انہیں ہلاتے چلے آ رہے ہیں۔ اور یہ مینار ہلنے کے باوجود گرنے سے محفوظ ہیں۔ ان کی تعمیر ایک اندازے کے مطابق چھ یا سات سو سال قبل ہوئی ہے۔ مقبرے میں چھوٹا سا باغیچہ جس میں خوش نما پھولدار پودے لگے ہوئے ہیں اور رنگا رنگ پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔



عالی قاپو جس کی بالائی منزل پر شاہ عباس بیٹھ کر پولو کھیل کا نظارہ کیا کرتا تھا۔

اصفہان

یہیں ایک دوسری قابلِ دید چیز مسجد و مدرسہ چہار باغ ہے۔ یہ عمارت بھی اپنے فنِ تعمیر کے لحاظ سے بہترین نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے ایک احاطہ میں ڈیڑھ سو کے قریب کمرے بنے ہوئے ہیں جن میں آج کل بھی طلباء رہتے اور اس مدرسہ سے دین کی تعلیم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ احاطے کے ایک جانب مسجد ہے اور مسجد و عمارت کے دوسرے حصے منقش اور آیاتِ قرآنی سے مزین ہیں

چند روزہ قیام کے بعد شیراز کے لئے رختِ سفر باندھا۔ اگرچہ اصفہان کی اچھی خاصی سیر کرلی تھی لیکن نامعلوم کیوں میں ایسا محسوس کر رہا تھا کہ میں نے ابھی یہاں کچھ بھی نہیں دیکھا؟ یہ تو نصف جہان ہے اور اسے دیکھنے کے لئے مہینوں کی فرصت درکار ہے۔ میں اس سرسبز و شاداب شہر اور گنبدوں و میناروں کے حسین و دل کش شہر کو دوبارہ دیکھنے کی خواہش کو دل میں دبائے عازمِ شیراز ہوگیا۔

حدیثِ عشق

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

عندلیبِ شیراز
شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ



تاجدارِ شعر و سخن حافظ شیرازیؒ کا مقبرہ

شیراز

قدیم و جدید ایرانی تہذیب کا عکسِ جمیل

سعدیؒ و حافظؒ کا وطن

شیراز، ایران کا تاریخی شہر ہے۔ نہ صرف حسین و جمیل ہے بلکہ ایک خطۂ مقدس کی حیثیت کا بھی حامل ہے۔ اصفہان سے جانب جنوب مغرب تقریباً پانچ صد کیلومیٹر فاصلے پر واقع قدیم فارس کا یہ دارالحکومت آج بھی سطح سمندر سے پانچ ہزار فٹ بلندی پر خوب صورت و سرسبز پہاڑوں میں گھرا ہوا اپنی کامل رعنائیوں اور دلفریبیوں کے ساتھ دور دراز کے سیاحوں کے لئے چشم براہ ہے۔

زرتشت اور سائرس اعظم اسکندر ایرانی) کی اس حسین و جمیل سرزمین کی جی بھر کر سیاحت کرنے کا اتفاق آج سے چندماہ پیشتر ہوا جب کہ میں آبادان میں مقیم تھا۔ ان دنوں آبادان کی سرزمین گرمی لُو اور شرجی کی جھلسا دینے والی ہواؤں سے جہنم زار بنی ہوئی تھی، ٹھنڈک اور سکون کی تلاش مجھے اصفہان اور پھر اصفہان سے شیراز لے آئی۔

اصفہان سے شیراز تک خاصا سفر ہے اور بیشتر پہاڑی۔ لیکن ایران کا بس ٹرانسپورٹ نظام، دنیا کے عظیم ترین ٹرانسپورٹ نظاموں کے مقابلہ میں فخریہ طور پر پیش کیا جاسکتا ہے ـــ یہاں جرمنی اور دیگر ممالک کی بڑی اور قوی ہیکل بسیں مثلاً مرسڈیز بنز، بسیں امپورٹ کی جاتی ہیں، جنہیں ایرانی ماہرِ فن ڈرائیور انتہائی چابکدستی سے چلاتے ہیں۔ ایرانی ڈرائیور ستر، اسّی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے کم چلنا اپنی توہین سمجھتے ہیں اور اس عظیم رفتار کے باوجود درآنحالیکہ اکثر سڑکیں کچّی ہیں، میں نے ابھی تک کسی حادثہ کی اطلاع نہ سنی اور نہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ ایران کے پاس سولہ لاکھ اڑتالیس ہزار مربع کیلومیٹر زمین ہے اور سب سے بڑا نقل و حرکت کا ذریعہ یہی بسیں ہیں۔ ہر مسافر کی کرسی مخصوص، چلنے کے اوقات کی پابندی، کھانے پینے، نماز اور سونے کے لئے مختلف مقامات پر بروقت رسیدگی اور اسی طرح کی اَن گنت سہولتیں مسافروں کو مہیا کی جاتی ہیں۔ پھر ڈرائیور اور کلینر کا لباس دیکھیں تو صاف ستھرا، اخلاقِ کریمانہ اور کارکردگی میں مستعد۔

ہاں تو صوبہ فارس کے صدر مقام شیراز میں، میں بوقتِ شب وارد ہوا۔ اس وقت جب کہ آبادان اور ایران کے دوسرے بیشتر شہر آگ اُگل رہے تھے، شیراز میں خوش گوار ہوائیں چل رہی تھیں۔ یہ وہی شیراز ہے جس کے درو دیوار سے ایک ایسی تہذیب اُبھری تھی جس کی برتری سے دُنیا کی کوئی قوم آج بھی منکر نہیں۔ سرسبز و شاداب اور بلند و بالا پہاڑوں سے گھرا ہوا یہ حسین و دلکش شہر پانچ ہزار فٹ بلندی پر واقع ہونے کے باوجود سمندر سے قریب پڑتا ہے اس لئے یہاں کی آب ہوا انتہائی خوش گوار ہے۔ اس دلکشی سے ماورار مجھے اگر کوئی چیز کشاں کشاں شیراز تک لائی تو وہ فاتحین و واردینِ فارس کے نقشِ پا رہے تھے اور نہ ہزاروں برس قبل کی تاریخ کے آثار و صنادید۔ میں تو عاشقِ الٰہی، محبِ رسولؐ اور تاجدارِ سخن ـــ گلستان و بوستان جیسی لافانی تخلیقات کے خالق شیخ مصلح الدینؒ سعدی شیرازی کی آخری آرام گاہ کو دیکھنے کے لئے شیراز میں آیا تھا۔ یا پھر میرے لئے کشش تھی تو شاہ چراغؒ کے مزار پُر انوار اور حافظؒ شیرازی کی آرام گاہ پر حاضری دینے اور ان تاجدارانِ شعر و سخن کی زیارت میں تھی۔

لیکن شیراز کو دیکھنے کے بعد اس کے قرب و جوار کے قدیم آثار کی سیر، تختِ جمشید، اصطخر کے کھنڈرات اور جدید شیراز کی خوب صورت عمارات کے مشاہدے سے اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ شیراز کی ہر چیز دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔



عندلیبِ شیراز شیخ مصلح الدین سعدیؒ شیرازی کے مزار کا ایک منظر

شیخ سعدیؒ شیرازی کے مزار پر

سب سے پہلے مَیں نے عندلیبِ شیراز سعدی رح کے حضور نذرانۂ عقیدت پیش کیا۔ یہ مزارِ سعدی رح ہے۔ یہ اُس عاشقِ الٰہی کی آخری آرام گاہ ہے جو آج سے تقریباً آٹھ سو سال قبل ۱۸۱ سنہ شمسی میں اِسی سرزمینِ شیراز میں پیدا ہوئے لیکن زندگی کا بیش تر حصّہ دنیا کی سیاحت اور دینِ حق کی تبلیغ و اشاعت میں صَرف کر دیا اور پھر سنہ ۱۲۱۹ شمسی میں اِسی سرزمین میں جان، جانِ آفرین کے حوالے کی۔ شہر سے تقریباً ۳ میل دُور جانب شمال مشرق دفن ہوئے۔ سعدی مرحوم کی اِسلام سے والہانہ شیفتگی کی اِس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ اِس دَور میں جب کہ سفر کی کوئی سہولت نہ تھی چودہ بار پاپیادہ حرمین شریفین میں حاضری دی۔

اِس عظیم شخصیت کے مزار پر حاضری کی جو سعادت مجھے خدا نے بخشی اس کا شکر ادا کرتے ہوئے جب مَیں ٹیکسی سے اُتر کر مزار کے بیرونی دروازہ پر پہنچا تو دروازہ پہ اِس شعر کو کندہ دیکھ کر

ذوقِ مسرت سے جھوم اُٹھی

زِ خاکِ سعدیؔ شیرازی بوئے عشق آید
ہزار سال پس از مرگِ اُو گرش بوئے

دروازہ سے داخل ہوں تو ایک وسیع و عریض باغ آتا ہے جس میں رنگا رنگ پھول کھلے نظر آتے ہیں ان پھولوں میں ایک دِل کش قبہ میں سعدی مرحوم ابدی نیند سو رہے ہیں۔ فاتحہ پڑھتے ہی کسی بزرگ کا یہ شعر زبان پر آگیا ؎

ہرگز نمیرد آنکس کہ دِلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

شیخ شیرازؒ کے علمی مرتبے، شہرت و ناموری اور اعزازِ قبولِ عام کے بارے میں کچھ لکھنا، آفتاب کے سامنے چراغ لانے کے مترادف ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کیے دیتا ہوں کہ کسی عربی و عجمی شاعر کی تخلیقات و تصنیفات کو وہ مرتبہ آج تک نصیب نہیں ہوا جو سعدیؔ شیرازی کی گلستان و بوستان کے حصے میں آیا۔ اِن دونوں کتابوں کا دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمہ ہوا، ہر مشرقی و مغربی ملک میں پسند کی گئیں، چھپیں اور عوام میں فروخت ہوئیں۔ بلکہ جس قدر یہ کتابیں فروخت ہوئیں اس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ عرب و عجم اور برِصغیر کے مدارس میں یکساں طور پر لگائی گئیں اور لاکھوں طلبا نے انہیں پڑھ کر زندگی کے لئے فکر و عمل کی راہوں کا تعین کیا۔

پھر سعدیؒ کی یہ عربی رباعی :۔

بلغ العلیٰ بکمالہٖ
کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ
صلوا علیہ وآلہٖ

تو نہ صرف چہار دانگ عالم میں مقبول ہوئی بلکہ عاشقانِ رسولؐ کے حلقوں میں، محبوبِ خدا کی بارگاہ میں

بلند تر و بے مثال نذرانۂ عقیدت تصوّر کی جاتی ہے ـــ اکبر کے نورتنوں میں سے شیخ مبارک کے ایک صاحب زادے تو اس کی ہم پایہ رُباعی کہنے کی حسرت ہی لے کر دُنیا سے رُخصت ہو گئے۔

مزارِ سعدی کے سرہانے کی لوح پر موجودہ شہنشاہِ ایران نے شاہِ سخن کے حضور عقیدت کے پھول کچھ الفاظ میں نچھاور کیے ہیں۔

اِس روضہ کی تجدید محمّد رضا شاہ پہلوی نے ۱۱ اُردی بہشت ۱۳۳۱ خورشیدی میں کی تھی۔

بہ خجستہ روزگارِ شہریاری
اعلیٰ حضرت محمّد رضا شاہ پہلوی
شہنشاہِ سُخن شناس و آبادگرِ ایران تجدیدِ بنائے
ایں بقعہ کہ فرمانِ ہمایُونش بر آغازِ آں شرف صدور
یافتہ بُود، انجام گرفت و در یازدہم اردی
بہشت ماہ سالِ خورشیدی یک ہزار و سی صد و سی
و یک کہ برابر با یازدہمیں و ہمیں تاجداری آں شہریار
است "آرام گاہِ استادِ سخن سعدی بزرگوار ہم بدست
عنایت آں شہنشاہ کشودہ گشت"

دُوسری اطراف میں گلستاں، بوستاں، بدائع وغیرہ سے اخذ کردہ حکایات و اشعار درج ہیں۔ جن میں سے ایک حکایت کے اشعار نذر کرتا ہوں۔

دوش مُرغے بصبح مے نالید — عقل و صبرم بِبُرد و طاقت و ہوش
یکے از دوستانِ مُخلص را ، — مگر آوازِ من رسید بگوش
گفت باور نداشتم کہ ترا — بانگِ مُرغے چنیں کند مدہوش
گفتم ایں شرطِ آدمیّت نیست
مُرغ تسبیح خواں و من خاموش

مقبرۂ سعدیؒ کے قریب اسی احاطہ کے اندر ایک زمین دوز حوض ہے جس کے درمیان سے ایک تیز رَو ندی بہتی ہے اسی ندی کے پانی سے مقبرۂ سعدیؒ کا باغیچہ سیراب کرتے اور اس حوض کو بھرتے ہیں اس مقصد کے لئے ٹیوب ویل لگایا گیا ہے۔ یہی ندی آگے جاکر قرب وجوار کے پورے علاقے کو سیراب کرتی ہے۔ اس حوض کو دیکھنے کے لئے پانچ ریال کا ٹکٹ لینا پڑتا ہے۔ ٹکٹ لے کر جب آپ سیڑھیوں سے زیرِ زمین حوض تک پہنچیں گے تو ندی کے صاف وشفاف پانی میں اَن گنت مچھلیاں دوڑتی پھرتی نظر آئیں گی۔ زائر مچھلیوں کیلئے مختلف چیزیں بطورِ خوراک ساتھ لاتے ہیں اور جیسے ہی یہ چیزیں پانی میں ڈالی جاتی ہیں مچھلیاں ان پر ٹوٹ پڑتی ہیں بڑا دل فریب منظر ہے ـــــ یہ ندی آبِ رکن آباد کے نام سے موسوم ہے اور اس ندی کی تعریف حافظ شیرازی نے کی ہے۔

سعدیؒ کا پورا نام شرف الدین مصلح بن عبداللہ سعدیؒ شیرازی تھا علم وادب میں آپ ایسا مقام بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے۔ آپ ایرانی علم وادب کے شہنشاہ سخن تسلیم کئے گئے ہیں جیساکہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے آپ کی پیدائش ۱۱۸۱ شمسی میں شیراز میں ہوئی۔ آپ کے اَجداد اربابِ علم ودانش تھے اور علوم دینیہ میں ایک بلند مقام کے حامل تھے۔ چناں چہ سعدیؒ اپنے ایک شعر میں اسی جانب اشارہ فرماتے ہیں۔

ہمہ قبیلۂ من عالمانِ دیں بودند   مرا معلّمِ عشق تو شاعری آموخت

آپ کی ابتدائی تعلیم شیراز میں ہوئی بعد میں آپ مدرسۂ نظامیہ بغداد میں پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے وہاں سے فراغت کے بعد کسبِ علم وفضائل کی خاطر جہاں گردی شروع کردی اور اردن، شام، سعودی عرب، شمالی افریقہ، کشمیر، ہندوستان اور ترکستان وغیرہ کی مسافرت میں زندگی کے تقریباً چالیس سال بسر کر دیئے اور پھر ابوبکر بن سعد بن زنگی کے دَور میں واپس شیراز آگئے اس دوران آپ چودہ مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین سے متمتع ہوئے۔

گلستاں و بوستاں میں آپ نے روحانیت کی تعلیم کے وہ موتی بکھیرے ہیں جن کی مثال کسی دوسرے کلام میں نہیں مل سکتی۔

گلزارِ ادبیاتِ سعدیؒ سے چند نثر کے پھول پیشِ خدمت ہیں:۔

زمین را از آسمان نثار است و آسمان را از زمین غبار۔ گوہر اگر در خلاب افتد ہماں نفیس است وغبار اگر بر سرِ آسماں رَود ہمچناں خسیس۔ دُورانِ باخبر در حضور ونزدیکانِ بے بصر دُور۔

خانۂ دوستاں بروب و درِ دشمناں مکوب۔ خالم بےعمل زنبورِ بے عسل است بہتی دوستاں را دیری لبستہ است و پنجۂ شیری شکستہ.....

قرآنی آیات کی شہادت اپنے کلام بلاغت نظام میں کس طرح پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو:۔

۱۔ اَنَا اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ۔

دوست نزدیک تر از من بمن است　　　واِیں عجب تر کہ من ازوے دُورم

چہ کنم با کہ تواں گفت کہ او　　　در کنارِ من و من مہجورم

۲۔ اور یہ آیت فَلَمَّا رَأَیْنَہٗ اَکْبَرْنَہٗ وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَھُنَّ۔

کاش کانانکہ عیبِ من جُستند　　　رویت اے دلستاں بدیدندی

تا بجائے ترنج در نظرت　　　بے خبر دستہا برید ندی

دراصل گلستاں و بوستاں تربیت و تہذیب نفس کی کتابیں ہیں جو تمثیلی رنگ میں استدلال سے دل چسپ انداز میں لکھی گئی ہیں۔ انہیں لکھتے وقت سعدیؒ شیرازی رُوحِ عرفانی سے معمور رہتے اور نغمۂ وحدت کو ایسے دل کش ترنم سے گایا کہ سننے والا شوق و جذبہ سے سرشار ہو جائے۔

بچشم خویش دیدم در خیاباں　　　کہ آہستہ سبق بُرد از شتاباں

سمندِ بادپا از تگ فرو ماند　　　شتر باں ہمچناں آہستہ میراند

مَیں بہت دیر تک مزار میں بیٹھا قرآن خوانی کرتا رہا بالآخر مجبور دل کے ساتھ واپسی کا عزم کیا۔

ایک ہنگامہ پہ محفل ہو تو اس کو رو ندوں

سینکڑوں باتوں کا رہ رہ کے خیال آتا ہے



بارہا دِل طلبِ جامِ جم از ما می کرد
آنچہ خود داشت زِ بیگانہ تمنا می کرد

گوہرے کز صدفِ کون و مکاں بیرونست
طلب از گم شدگان لبِ دریا می کرد

مشکلِ خویش بر پیرِ مُغاں بُردم دوش،
کو بتائیدِ نظر حلِ معما میکرد

دیدمش خُرم و خنداں قدحِ بادہ بدست
واندراں آئینہ صد گونہ تماشا میکرد،

گفتم: ایں جامِ جہاں بین بتو کے داد حکیم؟
گُفت: آں روز کہ ایں گنبدِ مینا می کرد

بے دلی از ہمہ احوالِ خدا با او بود
اُو نمیدیدش و از دور خدایا می کرد

لسان الغیب شمس الدین حافظ شیرازیؒ

لسان الغیب شمس الدین محمد حافظ شیرازی کے مزار پر مزارِ سعدیؒ سے باہر نکل کر دوبارہ ٹیکسی پکڑی اور تین کیلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے مردِ حق آگاہ شہنشاہ سخن حافظ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا۔ سعدی کی وفات کے ۳۳ سال بعد ۱۳۲۴ء شمسی (۷۲۶ء ہجری) میں اسی شیراز کی سرزمین سے ایک عظیم شاعرِ درویش اور مُصلح کل شخصیت نے جنم لیا اور چہار دانگ عالم میں اپنے تبحرِ علمی اور شاعری کا سکہ جمایا۔ آپ کو شیراز سے اس قدر محبت تھی کہ مرتے دم تک اس سے جدا نہ ہوئے اور ۱۳۸۹ء شمسی بمطابق ۷۹۱ء ہجری میں وفات پائی۔

حافظؒ کی تعلیم و تربیت میں بڑے بڑے علماء و فضلاء نے حصہ لیا ان کے استادوں میں قوام الدین عبداللہ (متوفی ۷۷۲ء ہجری) خصوصاً قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگ و متبحر علماء کی مجالس و صحبت نے حافظؒ کو ایک ارفع مقام بخشا۔ آپ نے مقدس قرآن مجید کو ازبر کیا تھا اور بیشتر آپ کے مطالعہ میں رہتا تھا۔ قرآن پاک حفظ کرنے کی بناء پر حافظ تخلص اختیار کیا چناں چہ خود اس جانب اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ندیدم خوشتر از شعرِ تو حافظؒ
بقرآنی کہ تو در سینہ داری !!!

اور تعلیماتِ عرفانی کو قرآنی آیات کی روشنی میں واضح کیا چناں چہ خود فرماتے ہیں۔

زِ حافظانِ جہان کس چو بندہ جمع نہ کرد
لطائفِ حکماء با کتابِ قرآنی !!

۷۴۲ء ہجری میں شاہ شیخ جمال الدین ابواسحٰق اینجو پسر محمود شاہ نے اپنی قابلیت و تدبر سے پیر حسین و ملک اشرف چوپانی کو شکست دے کر حکومتِ فارس کا اختیار سنبھالا ابواسحٰق منصف مزاج اور عادل حاکم تھا۔ اس کے علاوہ ادبی ذوق بھی رکھتا تھا۔ چناں چہ اس نے حافظؒ کی پذیرائی کی۔ حافظؒ نے بھی اس کی عدل گسترانہ فطرت کی خوب تعریف کی اور "رائے سپہرِ علم و حیاء اور جمال چہرۂ اسلام" ایسے القابات سے نوازا۔

حافظؒ نے بھی جوان لڑکے کی وفات کا داغ کھایا ہے۔ پسرِ جوان کی اس ابدی جدائی کا حافظ کے دل پر گہرا صدمہ ہوا چناں چہ اس پُر درد واقعہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

دلا: دیدی کہ آں فرزانہ فرزند　　چہ دید اندر خمِ ایں طاقِ رنگین ؟
بجائے لوحِ سیمیں در کنارش　　فلک بر سر نہادش لوحِ سنگیں !

حافظؒ کی نگاہوں نے اس دنیائے فانی میں کئی حکومتوں کو زیر و زبر ہوتے دیکھا۔ بڑے بڑے

شہنشاہ اس کی آنکھوں کے سامنے تہ تیغ ہوئے ان ہنگاموں سے متاثر ہو کر لکھتے ہیں:۔

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر مے بینم　　　همہ آفاق پر از فتنہ و شر مے بینم

اور ان سب چیزوں نے حافظؒ کو اس حقیقت کی جانب متوجہ کر لیا جو لافانی ہے۔ اس نے حقیقی منزل کا سراغ پالیا اس سرائے فانی اور یہاں کے بادشاہوں، ریاکار زاہدوں اور اہلِ ظاہر صوفیوں سے دِل اُچاٹ ہوگیا فرماتے ہیں:۔

آتشِ زرق و ریا خرمنِ دین خواہد سوخت

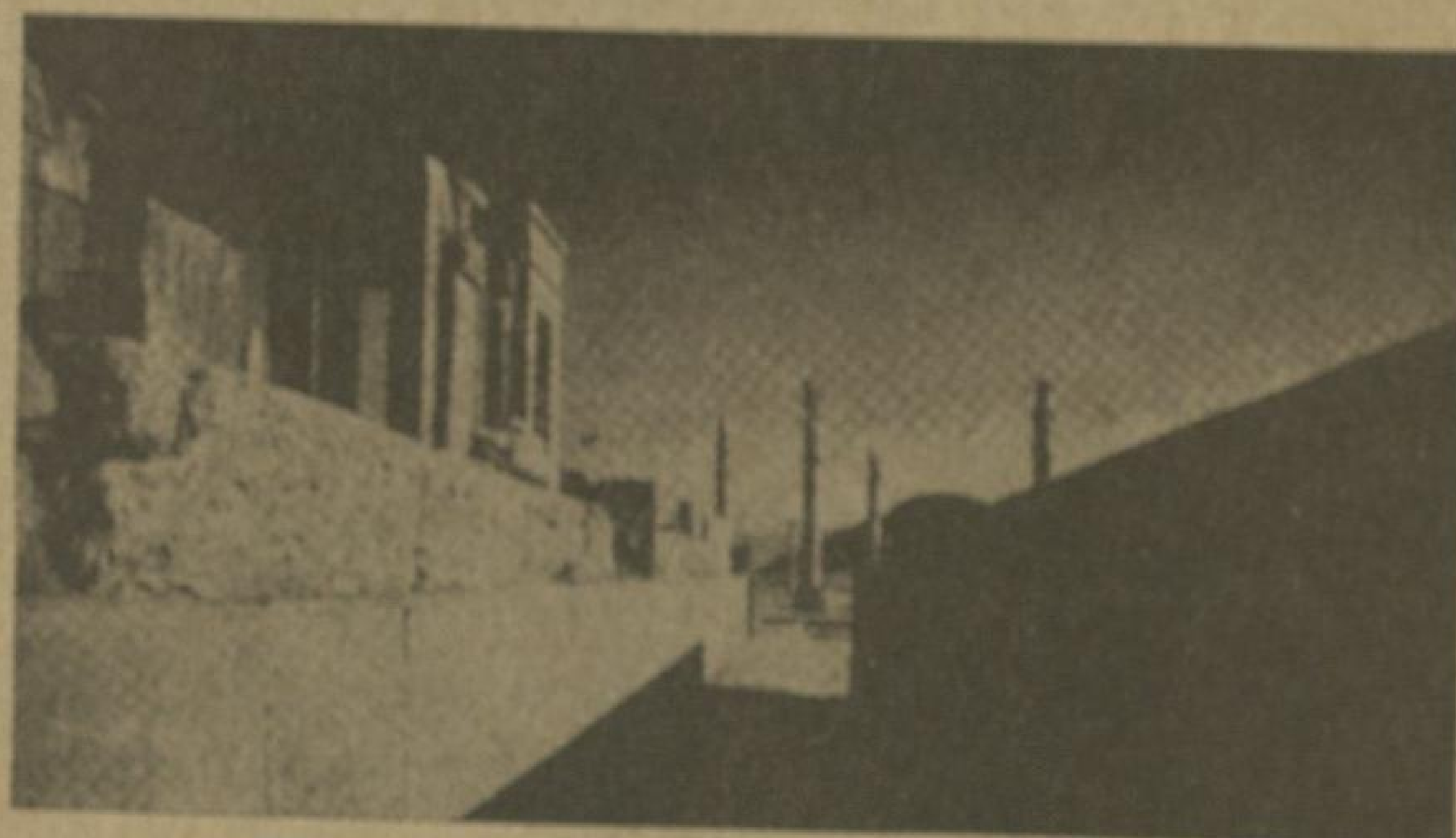
حافظؒ این خرقۂ پشمینہ بینداز و برو،

حقیقتاً حافظؒ ایک فکرِ توانا اور طبعِ سلیم کا مالک بلند پایہ شاعر تھا۔ ایک عارف باللہ اور عاشق الہٰی تھا اور اپنے کلام کی بلاغت، سادگی اور عرفانیت کی بنا پر خلق سے "لسان الغیب" کا لقب پایا۔ آپؒ کا مقبرہ قدیم طرز کا بنا ہوا آٹھ گوشوں پر مشتمل ایک چبوترا سا ہے جس کے ہر جانب گول سیڑھیاں قبر تک جاتی ہیں قبر کے گردا گرد آٹھ ستونوں پر ایک گنبد ہے جس پر لوہے کی چادر چڑھی ہوئی ہے مزار کے اطراف میں اور بھی بہت سی قبریں ہیں۔ حافظؒ کی قبر شہر کے اس حصہ میں واقع ہے جہاں شاعر مجبوراً اپنے دلِ دردمند کو بہلانے کے لئے گردش کیا کرتا تھا۔ یہی جگہ گلگشتِ حافظؒ ہے اور مصلےٰ نام رکھتی ہے۔ ہر چہار جانب خوب صورت روشیں ہیں جن پر خوب صورت پودوں کے گملے رکھے ہوئے ہیں اور اس مقام کے حسن کو دوبالا کرتے ہیں یہ مدفن "حافظ پبلک گارڈن" کے نام سے مشہور ہے اور ایرانی قدیم فنِ تعمیر کا اعلےٰ نمونہ چاروں طرف خوب صورت گلستان اور درمیان میں ایک قبہ میں مردِ سخن "شمعِ محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق" محوِ خواب ہے۔ دور دراز سے آئے ہوئے سخن شناسوں کا ایک جمِ غفیر ہر وقت مزار پر حاضر رہتا ہے۔

میں نے فاتحہ پڑھی اور کچھ دیر تک وہاں بیٹھنے اور مزار سے ملحق لائبریری اور میوزیم جن میں حافظ مرحوم کے نوادرات ہیں دیکھنے کے بعد دل نخواستہ خیابانِ سعدیؒ، جہاں پر ہوٹل میں میرا قیام تھا پاپیادہ چل پڑا۔

دل دو نیم شد و دلبر بملامت برخواست،

گفت با ما منشین کہ تو سلامت برخواست



شیراز کے نواح میں تخت جمشید کے کھنڈرات، جو آج بھی ایران کے فرمانروائے قدیم کی عظمت و شوکت کی نشان دہی کر رہے ہیں — ان کھنڈرات کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سیاح آتے ہیں -

تخت جمشید

ایران کے تابناک ماضی کے آثار

جہانِ بے ثبات کی تصویر

شیراز سے جانب شمال مشرق آٹھ فرسنگ (۴۸ میل) اسے کچھ زیادہ دور قدیم فارس کے پایہ تخت اسطخر کے کھنڈرات میلوں زمین پر پھیلے ہوئے عجیب و غریب منظر اور اس شعر کی منہ بولتی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔

شہنشاہے کہ بر قصرش ہزاراں پاسباں بودے
کنوں بر قبۂ گورش کلاغاں پاسباں بینی

اس ویرانے میں کھڑے کھڑے کچھ ایسا متاثر ہوا کہ بے اختیار ظاہری آنکھیں بند کرلیں اور

چشمِ تصوّر میں آج سے ڈھائی ہزار برس پہلے کی دُنیا گھوم گئی۔ مَیں نے عالمِ تصوّر میں دیکھا کہ مسیح علیہ السّلام سے چھ سَو برس قبل کا پرسیپولیس تختِ جمشید آج کے جدید شیراز کی طرح سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں کا ہر باشندہ مطمئن و مسرور زندگی بسر کر رہا ہے۔ مضبوط قلعے، فلک بوس عمارتیں اور رفیع الشان محلّات کا یہ خوب صورت مسکن رتھوں کی آمد و رفت کے ہنگاموں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے گونج رہا ہے

"با اَدب، با ملاحظہ ہوشیار!" کی آوازیں پردۂ سماعت سے ٹکرائیں اور مَیں عالمِ خیال میں ایک مسرور کن اور لذّت بخش کیفیت کے ساتھ اُس عظیم و پُرجلال فرماں روا کو دیکھنے چشم براہ ہو گیا جس کی تعریف میں صحائف



اعلیٰ حضرت شہنشاہ ایران محمد رضا شاہ پہلوی سائرس اعظم کے مقبرے پر

آسمانی رطب اللسان ہیں۔ میری نگاہِ تصوّر میں، ایران میں شہنشاہیت کا بانی اور عظیم شہنشاہ گورُدش (سائرس اعظم) اپنے وزرا اور امرا کے سامنے کھڑا باعظمت و جبرُوت فرمان دے رہا تھا۔

"مَیں سائرسِ اعظم، شہنشاہوں کا شہنشاہ، ایک عظیم بادشاہ، دنیا کا چوتھائی حصّہ جس کے زیرِ نگیں ہے۔ مَیں نے مشرق سے مغرب تک حکمرانی کی۔ لیکن قتل و غارت گری اور فتنہ و فساد سے گریز کیا۔ میرے اور میرے خاندان کے اَدوارِ حکومت میں رعیّت ہر طرح خوش و خرم رہی۔ مَیں نے ہمیشہ عوام کے دلوں پر حکومت کی ہے یہی وجہ ہے کہ بڑے سے بڑے شہنشاہ خود میری اطاعت قبُول کرنے آتے ہیں۔" (ایک کتبہ کی عبارت)

یہ وہی سائرس ہے جو آج سے اڑھائی ہزار سال (۶۰۰ ق م) دنیا کے بیشتر حصہ پر از شرق تا غرب حکومت کر گیا۔ جس کی تعریف عہد نامہ قدیم کے علاوہ قرآن مجید میں بھی کی گئی ہے۔ اور جسے ذوالقرنین (شرق تا غرب کا مالک یا دو سینگوں والا) کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

"تم سے ذوالقرنین کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہو کہ اب میں اس کا ذکر کرتا ہوں

ہم نے اسے زمین کا مالک بنایا تھا..... (الکہف ۸۲، ۸۴)

ستودہ صفات سائرس (SYRUS THE GREAT) (گورش) نے پانچ سو انتیس قبل از مسیح میں داعئی اجل کو لبیک کہا۔ تو اس کی اولاد نے اس مقدس حکومت کی نگہبانی کی۔ سائرس کا بیٹا کم بے سیز (COMBAYSES) یعنی کیقباد سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کے بعد دارا یوش، جس نے دارا کے نام سے شہرت حاصل کی اور تاریخ کے اوراق میں ہخامنشی خاندان کے روشن چراغ کی حیثیت سے باقی رہ گیا۔ بعد میں دنیا نے ایک اور نوجوان فاتح کو دارا کی طرف بڑھتے دیکھا۔ یہ سکندر مقدونی تھا جس نے دارائی قلمرو کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ سکندر یونانی نے اس لہلہاتے باغ کو ایسا پامال کیا کہ اس کے بعد آج تک کھنڈرات ہی کی صورت میں دیدۂ کور کے لئے سرمۂ بصیرت بنا ہوا ہے۔ ان کھنڈرات کو آنے والے شہنشاہ آباد نہ کر سکے۔ اسی فارس میں ساسانی آئے، مغلوں نے حکومت کی، زند خاندان اور نامعلوم کتنے حکمرانوں نے اپنے نقوش چھوڑے لیکن فارس کا یہ قدیم پایہ تخت "اسطخر" اسی طرح ویرانہ کی صورت میں ایستادہ رہا۔ بعد میں آنے والے حکمران پایہ تخت شیراز لے آئے اور انہیں قدیم پایہ تخت کو دوبارہ آباد کرنے کا خیال بھی نہ آیا۔

آج میلوں پھیلے ہوئے اس اجڑے دیار میں سیاح آتے اور بوجھل ذہنوں اور متاثر قلوب کے ساتھ واپس جاتے ہیں۔ ہر ایک یہ سوچتا ہے کہ —— اپنے دور میں "اسطخر" بھی آج کے جدید و خوب صورت شیراز کی مانند بلکہ اس سے بھی زیادہ خوب صورت اور سرسبز و شاداب ہوگا؟

شاداب و وسیع
باغات کا شہر

شیراز میں ایک الوداعی نگاہ

روشنیوں اور رنگینیوں کا مرکز ، ایک مہذب دلفریب آبادی

ایک جنتِ ارضی

اگرچہ گُل و بُلبل اور شعر و نغمہ کی سرزمین شیراز کا ایک ایک چپہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے لیکن زیادہ طوالت کے خوف سے اب میں چند مقامات کے ناموں پر ہی اکتفا کروں گا۔

• اسطخر کے قدیم آثار میں سے دشتِ چوگان ، نقشِ رستم وغیرہ کے علاوہ

• دَورِ اسلامیہ کے نقوش بھی دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں خصوصاً مسجد جامع عتیق ، صفوی دَور کی (۹۵۰-۹۸۲) تعمیر کی ہوئی ایک عظیم الشان مسجد ہے جو اپنی وسعت ، تعمیر اور فنِ مصوری اور نقاشی کا اَبد تک قائم رہنے والا نشان ہے ۔ یہاں کا ٹائیل ورک اور نقاشی مبہوت کُن ہے ۔ بعد کے حکمرانوں نے اس کی وقتاً فوقتاً تعمیر و توسیع پر خاصی محنت صرف کی ہے ۔

• دوسری مسجد ، مسجدِ نَو ہے جو شاہ عباس کے دَور کا ایک نادر نمونہ اور قابلِ دید ہے ۔

• علاوہ ازیں خاندانِ زند کی ایک اور انوکھی مسجد وکیل مسجد بھی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اور

• بندِ امیر (گیارھویں صدی عیسوی)

• مقبرہ اللہ دے (چودھویں صدی عیسوی)

• آرام گاہ شاہ چراغ اور دوسرے اَن گنت مقبرے اور

• ایک گرجہ ، جو گرجۂ شیراز کے نام سے مشہور ہے ۔ قابلِ دید مقامات ہیں ۔

• آثارِ قدیمہ کا محافظ خانہ پرسں میوزیم دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے ، جہاں امیر المومنین علی ابنِ ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ کے دستِ مبارک کا لکھا ہوا قرآن مجید اور سینکڑوں سال قبل مسیح کے عجائبات سے لے کر سلجوقی ، صفوی اور زندی دَور کے آثار اور پندرھویں صدی عیسوی تک کی تمام اشیا ء بڑے قرینے سے محفوظ کر دی گئی ہیں ۔

جدید شیراز کے تذکرہ میں اگر شیراز کے باغوں کا ذکر نہ کروں تو مضمون تشنہ رہے گا ۔ شیراز کے باغ

دُنیا کے حسین ترین باغوں میں شمار ہوتے ہیں۔ موسم تابستان میں آپ کسی چھوٹے سے چھوٹے باغ میں چلے جائیں، وہاں رنگا رنگ پھولوں کی مہک، اُبلتے فواروں کا منظر اور خوش رنگ پرندوں اور بُلبلوں کی نغمہ سرائی آپ کے دل و دماغ پر ایسا اثر کرے گی کہ آپ خود کو جنّتِ ارضی میں محسوس کریں گے۔

بازار صاف ستھرے، میدان وسیع، سڑکیں فراخ اَلغرض اس تقریباً دو لاکھ کی آبادی کے حسین و جمیل شہر کی کس کس چیز کی تعریف کروں۔ سرسبز و شاداب ہونے کے سبب ہر قسم کا غلّہ اور تیلوں کے بیجوں کا مرکز ہے۔ بہترین چراگاہیں زیادہ ہونے کی وجہ سے ہر قسم کا مویشی یہاں بکثرت ہے۔ یہاں تین شوگر فیکٹریز ہزاروں ٹن چینی اور قند تیار کرتی ہیں۔ سیمنٹ کی ایک بہت بڑی فیکٹری بھی ہے جو تقریباً تین صد ٹن روزانہ سیمنٹ تیار کرتی ہے۔ کپڑے کی تین ملیں ہیں جن میں سے شیراز ٹیکسٹائل ملز و شیراز ویونگ ورکس زیادہ مشہور ہیں۔ فوڈ انڈسٹریز اور دُوسرے شعبہ ہائے زندگی میں شیراز، ایران کے کسی دوسرے بڑے شہر سے کسی طرح کم نہیں۔ روزگار اور کاروبار کی فراوانی کے سبب اہلِ شیراز خوش و خرم زندگی بسر کرتے ہیں۔ بے شمار سکول و کالج خصوصاً "یونی ورسٹی آف شیراز" خصوصی طور پر قابلِ دید ہے۔

صحت کے میدان میں بھی شیراز قابلِ فخر حد تک ترقی یافتہ ہے یہاں کا نمازی ہسپتال قابلِ دید ہے جہاں تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد ہر وقت خدمتِ خلق کے لئے تیار رہتے ہیں، سنیما، کلب، تفریح گاہیں اور اعلیٰ و معیاری ہوٹل بھی کم نہیں اور ان کی موجودگی نے ایران کے اس شہر کو جنّتِ ارضی کا ایک ایسا نمونہ بنا دیا ہے جسے دیکھنے کے لئے مہینوں کی فرصت درکار ہے پھر اس پر اہلِ شیراز کی مہمان نوازی اور حسنِ اخلاق چند ایسی چیزیں ہیں جو ہر نو وارد کے لئے ایک نعمت کا درجہ رکھتی ہیں لیکن یہاں سے بہر حال رخصت ہونا تھا، سپہر کو تھکا ماندہ آیا اور اسی وقت سعدی ہوٹل کے خوش نما لان سے بستر لے کر نکلتے ہوئے ایک بار پلٹ کر دیکھا تو بے اختیار منہ سے نکل گیا:۔

آہ! شیراز —— آہ! دعوتِ شیراز!

بحرفے مے تواں گفتن حدیثے دو جہانے را

من از شوقِ حضوری طول دادم داستانے را

طہران سے فاصلے اور دُوریاں

(تہران سے دوسرے ایرانی مشہور شہروں کے فاصلے (کیلومیٹر میں))

نام شہر	طہران سے فاصلہ	نام شہر	طہران سے فاصلہ
آبادان	۱۰۶۵ کیلومیٹر	سمنان	۲۱۸ کیلومیٹر
آبادہ	۶۲۴ 〃	سیرجان	۱۱۷۰ 〃
اراک	۲۸۳ 〃	شوشتر	۸۶۶ 〃
اردبیل	۵۷۵ 〃	شیراز	۹۰۴ 〃
اصفہان	۴۲۰ 〃	فسا	۱۰۶۸ 〃
اہواز	۹۳۷ 〃	قزوین	۱۴۰ 〃
ایرانشہر	۱۹۲۱ 〃	قصرِشیریں	۷۳۵ 〃
بروجرد	۴۳۸ 〃	قم	۱۴۸ 〃
بم	۱۲۳۷ 〃	کازرون	۱۰۲۷ 〃
بندرپہلوی	۳۶۴ 〃	کرمان	۱۰۴۴ 〃
بندرعباس	۱۵۳۳ 〃	کرمانشاہ	۵۵۸ 〃
بندرلنگہ	۱۵۷۶ 〃	مشہد	۹۰۸ 〃
بوشہر	۱۱۹۷ 〃	نائین	۴۸۹ 〃
بیرجند	۱۲۶۸ 〃	نیشاپور	۷۷۰ 〃
تبریز	۶۲۸ 〃	ہمدان	۳۶۸ 〃
خرم آباد	۵۵۳ 〃	یزد	۶۶۸ 〃
خرم شہر	۱۰۵۵ 〃		
زابل	۱۷۷۷ 〃		
زاہدان	۱۵۶۱ 〃		
سبزدار	۶۵۴ 〃		



کاخ گلستان جس میں تاج پوشی کی تقریب منائی گئی

جشنِ نوروز اور جشنِ تاجپوشی

ایران کی دو قومی تقریبات

عیدِ نوروز

اہلِ ایران کا قومی جشن

شہنشاہ فلک الافلاک آفتاب عالمتاب سیدھی رفتار سے چلتا ہوا جب بارہ بُرج کا دَورہ مکمل کرکے ۲۱ مارچ کو نقطۂ اعتدال کے عین مشرق میں بُرج حمل کے درجۂ اوّل میں داخل ہوتا ہے تو ایرانی کیلنڈر نئے سال کا اعلان کرتے ہیں۔ نظامِ شمسی کے ماہرین (اہلِ تنجیم) کے نزدیک وہ لمحہ انتہائی متبرک و مسعود خیال کیا گیا ہے، جب سُورج کی تحویل بُرجِ حمل میں ہوتی ہے۔ تحویل کا روز، نوروز NEW YEAR DAY کہلاتا ہے۔

ایران میں چونکہ شمسی سال مروّج ہے اس لئے یہاں نوروز پورے تزک و احتشام سے منایا جاتا ہے اور وقتِ تحویل سے لیکر پورے تیرہ روز تک "جشنِ عیدِ نوروز" برپا رہتا ہے تحویل کے وقت کا ماہرین باقاعدہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن سے اعلان کرتے ہیں۔ تحویل سے نصف گھنٹہ پہلے ہر خورد و کلاں ریڈیو کے گرد بیٹھ جاتا ہے۔ اناؤنسر کہہ رہا ہوتا ہے ..... "حالا نیم ساعت باقی است .... حالا پنج دقیقہ باقی است"... اور پھر توپوں کی گھن گرج میں تحویل کا اعلان ہوتا ہے۔

شہنشاہِ ایران اور ان کی ملکہ عالیہ اسی وقت ریڈیو پر اپنی قوم کے نام پیغامِ تبریک نشر کرتے ہیں اور ملک و ملت کے لئے خوشیوں و مسرتوں کے دوام کی دعائیں کرتے ہیں۔ یہ ایک رسم ہے اور اس پر اگر تحویل آدھی رات کے وقت بھی ہو تو باقاعدگی سے عمل ہوتا ہے۔ خبر سنتے ہی ہر ایرانی، بزرگ و کوچک، زن و مرد بے پناہ مسرت و شادمانی کا اظہار کرتا ہے۔ ناچ، گانا اور شیرینی کھانا یہ عید کی جان ہوتی ہے اور ہر ایرانی پورے تیرہ روز تک اس کام کو جاری رکھ کر عید کی مسرتوں سے صحیح معنوں

٭ ۲۱ مارچ ۱۹۶۸ء کے روز ایرانی سال ۱۳۴۷ شمسی باستانی شروع ہوا ہے۔ آخر میں معلومات کی غرض سے ایرانی شمسی مہینوں اور دِنوں کے مکمل نقشہ جات دیئے گئے ہیں۔

میں لطف اندوز ہوتے ہیں۔

جشنِ نوروز اہلِ ایران کا عظیم تر قومی جشن ہے۔ جتنی خوشی و شادمانی اس موقع پر منائی جاتی ہے اس کا اظہار اور کسی تہوار پر نہیں کیا جاتا۔ جشنِ نوروز کی تقریبات ایک ہی پیمانے پر تیرہ روز تک جاری رہتی ہیں۔ اہلِ ایران کے عقیدے کے مطابق یہ جشن کسی خاص مذہب و ملت کا نہیں، بلکہ تخلیقِ کائنات کی جلیل و عظیم ساعت کی یاد کا جشن ہے۔ اس لئے ان دنوں میں خوب جی بھر کر خوشی منائی جاتی ہے۔ رقص و سرود، طاؤس و رباب کی محفلیں آراستہ ہوتی ہیں، میل ملاپ کے پُرتپاک سلسلے اور مجالسِ احباب کے انعقاد کے طویل اہتمامات کئے جاتے ہیں اور ہر وہ بات و ادا، جس سے خوشی کی بھرپور نمود ممکن ہو، اختیار کر لی جاتی ہے

نوروز کی رسُومات بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک کا یہاں ذکر کروں گا۔

۱۔ گھر میں انواع و اقسام کی مٹھائیوں، بسکٹوں، ٹافیوں، پستہ، بادام اور دیگر مشروبات وغیرہ سے ایک بڑی میز سجائی جاتی ہے جس کے گرداگرد کرسیاں بچھا دی جاتی ہیں۔ ان اغذیہ و اشربہ میں ایک طشتری کا ضرور اضافہ ہوتا ہے جس میں سات ایسی چیزیں مقدارِ معمولی میں الگ الگ ڈالی گئی ہوتی ہیں جن کے نام کا پہلا حرف "س" ہو۔ مثلاً سبزی (ساگ) سیر (لہسن) سماق، سیب (پھل) سرکہ کی چھوٹی سی شیشی وغیرہ۔ اسے "ہفت سین" کہا جاتا ہے۔

۲۔ نوروز کی آمد سے دو ہفتہ قبل لوگ طشتریوں میں گندم، مکئی، جَو، تربوز وغیرہ کے بیجوں سے پودے اُگاتے ہیں۔ بہار کے ان ایام میں بغیر کسی لمبی چوڑی دقت کے چند ہی دنوں میں معمولی آبیاری سے پودے اُگ آتے ہیں اور خاصے بڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ سینیاں (طشتریاں) افرادِ ہائے خانہ کے ناموں پر ہوتی ہیں لیکن ان کی تعداد سات سے کم نہیں ہونی چاہیئے۔ کیوں کہ قدیم زمانہ سے سات سیاروں کو ہی اجرامِ فلکی کے بزرگ سیارے سمجھا جاتا ہے۔ ان سات سیاروں کی گردش کا نوعِ انسان اور کائنات کی دیگر مخلوقات کی زندگیوں پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس لئے نوروز کی بیشتر رسُومات ان سبعہ سیارگان کے اثراتِ بد سے محفوظ و مامون رہنے کے جتن ہیں۔ جو اگرچہ مذہبی نقطۂ نگاہ سے بے معنی ہی سہی لیکن قدیم رسم ہونے کے سبب قدامت پسند طبقہ آج بھی ان پر عمل پیرا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جس شخص کے نام کے بیج نہ اُگیں اُس کا سال بہتر بسر نہیں ہوتا یا اس کے مر جانے کے امکانات

ہوتے ہیں۔

"سیزدہم" کی صبح کو تمام ایرانی اپنے گھروں سے نکل جاتے ہیں اور سارا دن پارکوں اور تفریح گاہوں میں بسر کرتے ہیں یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں گھروں کو لوٹ آتے ہیں اِس روز گھر سے نکلتے ہوئے ان تمام طشتریوں کو بہتے پانی، دریا یا نالے وغیرہ میں بہا دیا جاتا ہے۔

ایامِ عید میں آپ ایران کے کسی شہر میں چلے جائیں مسرت وشادمانی اور شباب ونغمہ کے سُوتے اُبلتے پائیں گے۔ ہر چہار سُو جنّت مثال مناظر دیکھنے میں آئیں گے اور مدھ مست ودلربا مُوسیقی کی مترنم صدائیں، پردۂ سماعت سے ٹکرا کر عجیب نشہ کی سی کیفیت طاری کر دیں گے جشنِ عیدِ نوروز کے دِنوں میں ایران کا ہر شہر فردوسِ بریں کا ٹکڑا بن جاتا ہے۔ ایرانی عوام جشنِ نوروز، عید الفطر، عید الاضحےٰ اور عیدِ میلاد النبیؐ کی تقریبات کے علاوہ شہنشاہِ ایران کا جشنِ ولادت، جشنِ تختِ نشینی بھی بڑے جوش وخروش اور طمطراق سے مناتے ہیں۔

مَیں کچھ عرصے سے آبادان میں مقیم ہُوں اور آبادان ساحلی شہر ہونے کے سبب ایک دوسری قسم کا شہر ہے پھر بھی "عیدِ نوروز" منانے میں ایران کے کسی دوسرے شہر سے کسی طرح کمتر نہیں ہے۔ بموجب دستور مجھے بھی اپنے ایرانی دوستوں اور ملنے جلنے والوں کے گھروں میں جا کر "تبریکِ عید" کہنی تھی۔ مبارک، مبارک، رسیدنت بخیر، بارک اللہ اور اِسی قسم کے دل کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے پُر محبت فقروں نے ہر جگہ میرا استقبال کیا۔ اِن دنوں ہر ایرانی اپنے مہمان کے لئے چشم براہ رہتا ہے۔ مَیں نے آج محسُوس کہ پاکستان وایران دو ملک نہیں بلکہ یکجان دو قالب ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مَیں نے آج سے قبل بھی اپنے آپ کو ایران میں کبھی اجنبی محسُوس نہیں کیا تھا لیکن عیدِ نوروز کے مَوقع پر مَیں نے ایرانی بھائیوں کے دِلوں کی دھڑکنوں کو اپنے قلب میں محسُوس کیا ہے۔

ایرانی بڑے مہمان نواز اور محبّت کرنے والے ہیں لیکن کسی گھر میں بھی ۱۰ منٹ سے زیادہ نہ رُک سکا کیونکہ یہ بھی دستور ہے کہ عید کے مَوقع پر کسی گھر میں دس منٹ سے زیادہ نہیں ٹھہرنا چاہیئے اور کسی گھر سے بھی بغیر کچھ کھائے پیئے باہر نہیں آنا چاہیئے ورنہ صاحبِ منزل ناراض ہو جائے گا۔

تمام دوست اپنے مہمانوں کے انتظار میں گھروں میں محبُوس تھے۔ مَیں جلد ہی رسم تبریک سے فارغ

ہو گیا اور مختلف گلی کوچوں میں مناظرِ قدرت سے حظ اندوز ہوتا رہا۔ سارا دن گردش کرتا رہا اور شام کے ۶ بجے میں خیابانِ پہلوی کے ایک معروف ترین بازار میں خلقت کے بے پناہ ہجوم کو دیکھنے ایک کنارے کھڑا ہو گیا۔ خوش پوش و خوش گل جوڑے یورپین لباس میں گزرتے دیکھتا رہا اسی اثنا میں ایک حور تمثال، پری چہرہ نازنین کو پھولوں کا گلدستہ ہاتھ میں لئے اپنی جانب بڑھتے دیکھا تو بے اختیار ملا جامیؒ کے یہ شعر وِردِ زبان ہو گئے۔

ماہِ من در نیم شب گر بے نقاب آید بروں　　زاہدِ صد سالہ از مسجد خراب آید بروں،
دِلرُبا چوں رُخ نمودی شُد نمازِ من قضا،　　سجدہ کے باشد روا چوں آفتاب آید بروں۔

مَیں ٹکٹکی باندھے اس متحرک قیامت کو دیکھتا رہا۔ اور وہ فضا کو مُعطّر بناتی تبسم کناں با ہزار اندازِ دلربائی قریب سے گزر گئی۔

چہ جمال آں دل آرا چہ تواں نمودِ املا،
کہ خزاں شدار دا صلا چہ بلا بہار دارد



ایک ایرانی کلاسیکی رقص کے ماہرین اپنے فن کے جوبن پر

ایرانی مہینوں اور دنوں کا نقشہ اور ان کی دوسری زبانوں اور قوموں میں مُروّجہ مہینوں اور دنوں سے مطابقت

نمبرشمار	ایرانی مہینہ	ایام	مطابقت بہ ماہ فصلی	مطابقت بہ ماہ نجمی (عربی و یونانی) وغیرہ	مطابقت بہ ایام ماہ شمسی
۱	فروردین	۳۱ یوم	بیساکھ	حمل. ARIES, THE RAM.	۲۱ مارچ تا ۲۰ اپریل
۲	اُردیبہشت	" "	جیٹھ	ثور. TAURUS, THE BULL.	۲۱ اپریل " ۲۰ مئی
۳	خرداد	" "	اساڑھ	جوزا. GEMINI, THE TWINS.	۲۱ مئی " ۲۰ جون
۴	تیر	" "	ساون	سرطان. CANCER, THE CRAB.	۲۱ جون " ۲۰ جولائی
۵	مرداد	" "	بھادوں	اسد. LEO, THE LION.	۲۱ جولائی " ۲۰ اگست
۶	شہریور	" "	اسوج	سنبلہ. VIRGO, THE VIRGIN.	۲۱ اگست " ۲۰ ستمبر
۷	مہر	۳۰ "	کاتک	میزان. LIBRA, THE BALANCE.	۲۱ ستمبر " ۲۰ اکتوبر
۸	آبان	۳۰ "	مگھر	عقرب. SCORPIO, THE SCORPION.	۲۱ اکتوبر " ۲۰ نومبر
۹	آذر	۳۰ "	پوہ	قوس. SAGITTARIUS, THE ARCHER.	۲۱ نومبر " ۲۰ دسمبر
۱۰	دی	۳۰ "	ماہ	جدی. CAPRICORN, THE GOAT.	۲۱ دسمبر " ۲۰ جنوری
۱۱	بہمن	۳۰ "	پھاگن	دلو. AQUARIUS, THE WATERBEARER.	۲۱ جنوری " ۱۹ فروری
۱۲	اسفند	۲۹ "	چیت	حوت. PISCES, THE FISHES.	۲۰ فروری " ۲۰ مارچ

دنوں کے پاکستانی و ایرانی نام اور ہفت سیارگان سے ان کی نسبت و مطابقت

نمبر شمار	ایام ہفتہ کے ایرانی نام	پاکستانی نام	انگریزی نام	سیارگان سے نسبت و مطابقت اور ان کے تخمینی، یونانی اور ایرانی نام	
۱	شنبہ	ہفتہ	SATURDAY	زحل (کیوان)	SATURN
۲	یکشنبہ	اتوار	SUNDAY	شمس (خورشید)	SUN
۳	دوشنبہ	پیر	MONDAY	قمر (ماہ)	MOON
۴	سہ شنبہ	منگل	TUESDAY	مریخ (بہرام)	MARS
۵	چہار شنبہ	بدھ	WEDNESDAY	عطارد (تیر)	MERCURY
۶	پنج شنبہ	جمعرات	THURSDAY	مشتری (برجیس)	JUPITER
۷	جمعہ	جمعۃ المبارک	FRIDAY	زہرہ (ناہید)	VENUS



مصنف کے ایرانی رفیق

آقائے درّا آراشتے

جنھیں سرزمین پاکستان بیحد عزیز ہے

اے آبِ خاک شو کہ ترا آبرو نہ ماند
آزردہ رفت از تو لبِ تشنۂ حسینؓ

(میر عثمان علی خان مرحوم والیٔ دکن)

تہران سے کربلا تک

فضل الرحمٰن چشتی قادری کی شہرۂ آفاق تصنیف

اِسلام آباد سے یثرب تک

کا دوسرا باب

سرزمینِ دجلہ و فرات میں قافلۂ حسینؓ کا ورُود، معرکۂ حق و باطل کے دلخراش واقعات، خاکِ مدینہ سے کوسوں دُور خاندانِ نبوت کی داستانِ الم ناک اور سانحہ کربلا کے دُور رس نتائج کا تجزیہ۔

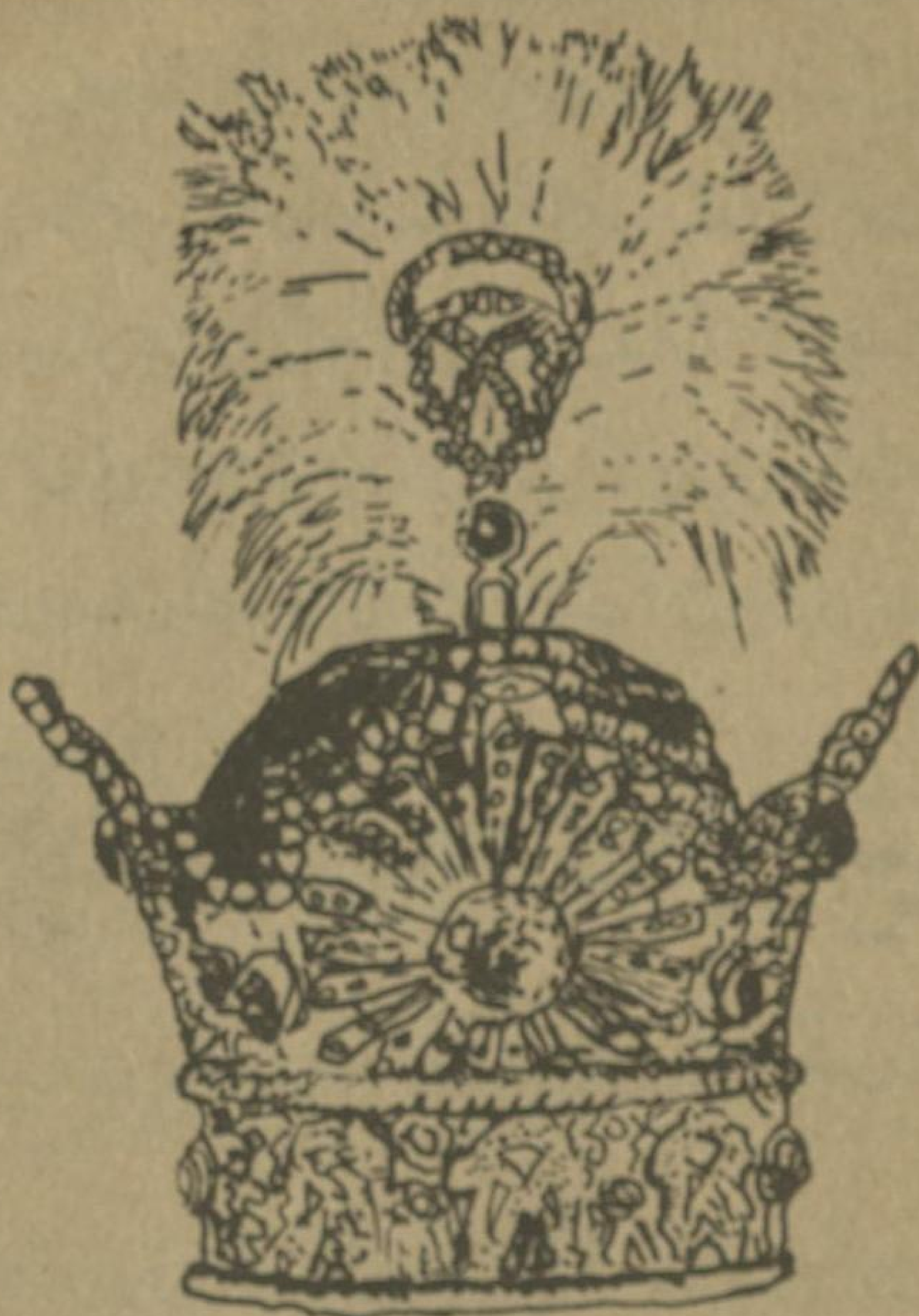
عراق میں مقاماتِ مقدسہ، کربلائے معلا، نجفِ اشرف کی نادر تصاویر، جدید عراق کا معاشی و سیاسی خاکہ، بغداد کی شوکت و عظمت کی حکایات۔

• اِنشاءاللہ اکتوبر ۱۹۶۸ء کے پہلے ہفتہ تک چھپ کر تیار ہو جائے گی •

سیف الملوک اکاڈمی راولپنڈی

کی دوسری فخریہ پیش کش —

۲۲ × ۱۸ کے تقریباً دو صد صفحات پر مشتمل
عمدہ کتابت، اعلیٰ طباعت، سہ رنگا سرِ ورق۔
قیمت عام کاغذ ۵.۰۷ ۵ روپے
سفید بڑھیا کاغذ ۲۰.۰۷ روپے



جشن تاجپوشی ایران

شخصی نظامِ حکومت میں تاج، تاجپوشی اور تاجدار کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے اور رعایا کا ہر فرد انہیں قومی عظمت و شوکت اور ملکی جاہ و حشم کی علامت سمجھتا ہے تاج، تاجدار کی مرصع اور جواہرات سے مزین کلاہ کا نام ہے جسے وہ تخت پر رونق افروز ہوتے وقت زیبِ سر کرتا ہے۔ اسے خدا کی جانب سے بادشاہی و حکمرانی تفویض ہونے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح تاجپوشی کی تقریبات و ساعات کو بھی خوش آئند، خوش حالی کے دور اور ترقی کی علامت خیال کیا جاتا ہے۔ جس طرح تاجپوشی کا مرحلہ تاجدار کے لئے اہم تر ہوتا ہے ایسے ہی رعایا بھی اسے اہمیت دیتی ہے۔ ایک اعتبار سے تاج اور تاجپوشی میں دینی اور الہیاتی پہلو بھی خاصی اہمیت رکھتا ہے۔

ایران میں بادشاہ کو مذہب اور سیاست دونوں معاملات میں قومی رہنمائی کا فرض انجام دینا پڑتا ہے۔ لیکن جن ممالک میں سیاست اور مذہب الگ الگ ہیں، وہاں عموماً تاج مذہبی پیشوا کے ہاتھ فرماں روا کے سر پہ رکھا جاتا ہے۔ ایران میں سب سے پہلے اپنے سر پر کیومرث نامی ایک فرماں

رُوا نے اپنے سر پر تاج رکھا اور تاجپوشی کی تقریبات سرکاری طور پر منانے کی بنیاد ڈالی۔

ایرانِ قدیم میں ہخامنشی۔ اشکانی اور ساسانی بادشاہوں کے تاج مختلف الصّورت ہوتے تھے۔ اسلام کے آنے کے بعد بھی ایران میں تاجپوشی کی روایاتِ قدیم بدستور جاری رہیں اور ان کے طور طریقوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ایرانِ قدیم کا تاجِ شاہی "تاجِ کیانی" کے نام سے مشہور رہا ہے لیکن جب زمامِ اقتدار پہلوی خاندان کے ہاتھ میں آئی تو اس نے تاجِ کیانی کی بجائے "تاجِ پہلوی" بنوایا۔

تاجِ ایران - تاریخ کے آئینے میں

تاج پیش داری سے تاجِ پہلوی تک کے ادوار کا مختصر خاکہ

دُنیا میں شخصی حکومتوں کا دَور طویل تر ہے اور تاریخِ اقوامِ عالم کے عروج و زوال پر یہ طویل ترین دَور گہرے اثرات ڈالتا نظر آتا ہے اس دَور میں تاج ہمیشہ اعلیٰ ترین اقتدار کی علامت رہا ہے۔ ایران میں تاج اور تاج کی سوانح خاصی قدیم ہے لیکن مَیں اس داستانِ دراز کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔

ایرانی عوام اسلام کی آمد سے قبل اور اسلام کے آنے کے بعد بھی نوعِ انسانی کے لئے عظیم کارنامے انجام دیتے رہے ہیں یہ قوم صدیوں تک انسانوں کے لئے علم و دانش اور تہذیب و تمدن کی مشعلیں فروزاں کرتی رہی ہے۔ آج سے ڈھائی ہزار سال پہلے مملکتِ ایران نیل کے ساحل سے کاشغر کے بلند و بالا پہاڑوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ تختِ جمشید اور مدائن کے ایوان کے کھنڈرات ایران کے اسی رَوشن ترین دور کی کہانیاں سُنانے کے لئے آج بھی موجود ہیں۔

جیسا کہ پہلے لکھ چکا ہوں کہ ایران میں کیومرث ہی پہلا حکمران تھا جس نے تاج بنوایا اور پہنا اور اس مَوقع پر سرکاری طور پر رنگ و نُور اور رقص و سرود کی محفلیں منعقد کرنے کے فرمان جاری کئے کیومرث پیش داری خاندان کا بانی تھا۔ ہوشنگ، طہمورث، جمشید، فریدون، منوچہر اور گرشاسپ اسی خاندان کے بادشاہ تھے۔ زرتشتی عقیدے کے لوگ کیومرث کو "ابوالبشر" مانتے ہیں

پیش داری خاندان کے ستارۂ اقتدار کے زوال کے بعد کیانی خاندان مملکتِ ایران کا مالک بنا اس خاندان کے مشہور حکمران کیقباد، کیکاؤس، کیخسرو اور گشتاسپ تھے۔ مؤخرالذکر کے عہدِ حکومت

میں ایرانیوں کے پیغمبرِ قدیم "زرتشت" کا ظہور ہوا جو بادشاہ کو بھی اپنے دین پر لانے میں کام ہوگیا۔

ایرانی تاج اور ایرانی قوم کی باقاعدہ اور مستند تاریخ کا آغاز دَورِ ماد سے ہوتا ہے۔ جس کا اقتدار ۸۰۰ برس قبل مسیح سے ہوتا ہے۔ اس سلطنت کا دارالحکومت ہمدان اور بانی ریوکس بیان کیا جاتا ہے۔ ریوکس ایران کا پہلا حکمران ہے جس نے اہلِ ایران کو اپنے وجودِ ملّی کی بقاء وارتقاء کا احساس دلایا اور اسی کی بدولت ان کی ملی اور فکری حریت کے جذبے کو بیدار کرنے میں کام یاب ہوا۔ اس حکمران نے منتشر علاقائی اور قبائلی تعصبات کے تمام بُتوں کو پاش پاش کرکے اہلِ ایران کو ایک پرچمِ ملّی کے نیچے جمع کرکے انہیں ایک عظیم قوت میں تبدیل کردیا اور مختصر سے عرصے میں اہل ایران کو سامی، بابلی اور آشوری حکمرانوں کے پنجۂ اقتدار واستبداد سے آزاد کرالیا۔ اس لحاظ سے ایرانی تاریخ میں ریوکس کا دورِ اقتدار اور ماد خاندان کا عرصۂ حکومت ایک امتیازی خصوصیت رکھتا ہے اگرچہ یہ خاندان کچھ زیادہ مدت تک حکمران نہیں رہا۔ مگر اس کے عہد میں ایرانیوں کے اندر نظریاتی بیداری کی قوت کا پہلی بار ظہور ہوا اور اس کے دَور ہی میں ایران اتنی عظیم قوت بن کر صفحۂ ہستی پر اُبھرا کہ اس زمانے کی مقتدر ترین حکومتوں بابل، نینوا اور لیڈیا سے اپنی عظمت اور قوت کا اعتراف کرالیا۔

حضرت مسیح سے ۵۵۰ سال قبل ایران میں ایک اور تیسرا خاندان برسرِ اقتدار آیا جس نے ہخامنشی خاندان کی بنیاد ڈالی۔ اس خاندان کا بانی کورش اعظم تھا۔ ایران کے اس بادشاہ کا شمار اس زمانے کے طاقت وَر بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اپنی فتوحات اور اپنے انصرامِ حکومت کی خوبیوں کے اعتبار سے اس کا دَور شاہانِ عالم کے لئے قابلِ تقلید قرار دیا جاتا ہے۔ اس نے ایران کے قُرب وجوار کی کئی محکوم اقوام کو آزادی دلائی۔

ہخامنشی خاندان کا دوسرا حکمران داریوش اعظم تھا جس نے ایران پر ۵۲۱ سے ۴۸۶ ق م تک حکومت کی۔ اس کا عہد ایرانی تاریخ کا سنہری دَور ہے۔ داریوش اعظم کے زمانے میں ایرانیوں نے معلوم دُنیا کا ربع مسکون زیر اقتدار کرلیا۔ بیس چوٹی کے ملک اور کئی ریاستیں جن میں سکندرِ اعظم کے باپ کی ریاست بھی شامل تھی، ایران کے داریوش اعظم کے زیرِ نگیں تھیں۔ بیس چوٹی کے مقبوضہ ملکوں میں مصر، شام، فلسطین، افغانستان، یونان، پنجاب اور سندھ بھی شامل تھے اور ایرانی سلطنت بحرِ خزر اور بحرِ اسود سے مغرب میں بحرِ اوقیانوس تک وسیع ہوگئی تھی۔

۳۳۱ ق م میں ایرانی سلطنت کا ستارہ گردش میں آیا۔ اور ایک باجگزار ریاست مقدونیہ کے حکمران کے نوخیز بیٹے سکندرِ اعظم نے ایرانی سلطنت پر حملہ کر کے اسے کچھ اس انداز سے تباہ و برباد کیا کہ پھر مدتوں تک اسے داریوش کے عہدِ زریں کا سا اقتدار نصیب نہ ہو سکا۔ جلد ہی ایرانی حریت پسندوں نے اپنی کھوئی ہوئی آزادی کے لئے روایتی اور ملی جدوجہد کا آغاز کیا اور اشک اوّل کے دور میں داریوشی عہد کے زوال دیدہ آثار پر اشکانی خاندان کے اقتدار کا سورج چمکا۔ دلیر اور شجاع اشکانی فرماں رواؤں نے ایران کی عظمتِ رفتہ کو بحال کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ یہ خاندان رومیوں کے فاتحانہ طوفان کے سامنے قریباً چار سو سال تک سدِ راہ بنا رہا اور ۲۲۴ شمسی تک ایرانی تاج اشکانی خاندان کے حکمرانوں کے سروں پر رہا۔

۲۲۶ شمسی میں اُردشیر بابکاں نے ایران کا اقتدار سنبھالا۔ اور ساسانی خاندان کی بنیاد رکھی۔ اس خاندان نے قریباً چار سو سال ایران پر بڑے طمطراق سے حکومت کی۔ خسرو نوشیروان اور خسرو پرویز اس خاندان کے نامور حکمران ہوئے ہیں۔ ان کے دور میں ایران نے عظمت و شوکت کی انتہائی بلندیوں کو چھولیا۔ یزدگرد (سوم) خسرو پرویز کا پوتا ساسانی خاندان کا آخری فرماں روا تھا۔

سقوطِ مدائن کے بعد اہلِ ایران ایک نئے دورِ زندگی میں داخل ہوئے اہلِ ایران نے اسلام نہ صرف قبول کیا بلکہ اس کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف ہو گئے اس دور میں ایران نے اسلام کے بڑے بڑے جلیل القدر فرزند پیدا کئے اور پھر ۲۰۵ ہجری میں مامون الرشید کے ایرانی سپہ سالار طاہر بن حسین نے طاہری سلسلے کی بنیاد رکھی۔ اس کے بعد صفاریوں نے خودمختار حکومتیں قائم کیں اور بالآخر ۳۳۴ ہجری میں خلفائے بنو عباس کے دار الخلافہ بغداد پر قبضہ کر لیا۔

تیسری صدی کے اواخر میں اسماعیل بن احمد نے سامانی سلسلے کی بنیاد رکھی۔ سامانی دورِ حکومت میں بھی بڑی بڑی علمی ترقیاں ہوئیں۔

اس کے بعد غزنویوں کا دور آیا جس سلسلے کا مشہور تاجدار محمود غزنوی گزرا ہے غزنویوں کے بعد سلجوقیوں کا دور آیا اور پھر ۴۷۰ ہجری میں خوارزم شاہی خاندان نے اپنی حکومت قائم کی جسے چنگیزی لشکر نے ختم کیا۔

اس کے بعد کچھ عرصہ تک ملک میں طوائف الملوکی کا دور گزرا پھر امیر تیمور نے اقتدار ہاتھ

میں لے کر ایران کو پھر متحد کیا اور اسے ایک باوقار مملکت بنایا۔ تیموریوں کے بعد صفوی خاندان برسرِ اقتدار آیا۔ صفوی تاجداروں میں شاہ عباس جو ہند کے شہنشاہ اکبر کا ہمعصر تھا ایک عظیم تاجدار گزرا ہے۔ شاہ عباس کے بعد ایران کے عظیم فاتح اور تاجدار نادر شاہ نے تختِ شاہی پر قدم رکھا۔ اس کے بعد زند خاندان نے عنانِ حکومت سنبھالی اور پھر قاچاری خاندان کے ہاتھوں میں اقتدار چلا گیا اور پھر ایران کے اُفق پر پہلوی سلطنت اُبھری۔ اس کے بانی مردِ مجاہد رضا شاہ کبیر مرحوم تھے۔ اُنہوں نے اپنے تدبر سے اغیار کے وجود سے اس سرزمین کو پاک و آزاد کیا۔ ملتِ ایرانیہ نے اپنے اس نجات دہندہ کو سر آنکھوں پر بٹھایا اور ان کی شاندار خدمات کے عوض اُنہیں ایران کا تاج و تخت پیش کیا۔ اس طرح موجودہ سلطنتِ پہلوی کا آغاز ہو کر جدید ایران کا روشن ترین دور شروع ہوا۔

ایرانی دستورِ مملکت کے مطابق کسی ایرانی حکمران کی تاجپوشی کی تقریبات اس وقت تک نہیں ہو سکتیں جب تک اس کی اولادِ ذکور سے ولی عہد نہ ہو جسے وارثِ تخت قرار دیا جا سکے۔ اعلیٰ حضرت محمد رضا شاہ پہلوی ۱۶ ستمبر ۱۹۴۱ سنہ شمسی کو ایران کے شہنشاہ بنے۔ مگر ایک عرصہ تک اولادِ ذکور نہ ہونے کی وجہ سے ان کی تاجپوشی عمل میں نہ آسکی۔ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۰ کو ولی عہد ایران شہزادہ رضا پہلوی کی ولادتِ باسعادت سے ایرانی دستورِ مملکت کا مذکورہ تقاضہ پورا ہوا اور اہلِ ایران نے اپنے عظیم و محبوب فرماں روا کی شایانِ شان تاجپوشی کی تقریبات منانے کی تیاریاں شروع کر دیں ۲۶ اکتوبر ۱۹۶۷ سنہ شمسی کو یہ تقریبات پورے جوش و خروش سے منائی گئیں پاکستان میں بھی تاجپوشی کی تقریبات وسیع پیمانے پر منعقد ہوئیں جن میں شاہ ایران، ملکہ شہبانو اور ولی عہد کی درازیٔ عمر، ایرانی عوام کی خوش حالی اور ایران کی عظمت و شوکت کے لئے دعائیں مانگی گئیں اور تہنیتی پیغامات بھیجے گئے۔ اس تاریخی موقع پر اعلیٰ حضرت شاہِ ایران نے شہزادہ رضا پہلوی اور شہبانو فرح پہلوی کے سر پر تاجِ ایران اپنے ہاتھ سے رکھا۔

[م جدرل]